مکمل ناول

سدرہ حیات

دل کو آپ سے محبت ہے

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

شام کے سائے بڑھ رہے تھے۔ پارک میں معمول کی چہل پہل مغرب کی اذانوں کے ساتھ ہی کم ہونا شروع ہوگئی تھی۔ اب اکادکا لوگ ہی پارک میں نظر آرہے تھے۔ وہ پارک کے ایک الگ تھلگ گوشے میں بینچ پر بیٹھی تھی۔ براؤن رنگ کی شال اس کے کندھوں سے ہوتی، پورے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھی، بس اس کے خوب صورت بال ہی تھے جو سر سے شال کے ڈھلک جانے کے باعث آزادی سے ہوا کے ساتھ اٹھکیلیاں کررہے تھے۔ فضا میں بارش کے بعد کی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا ماحول کو پرلطف بنائے ہوئے تھی، مگر ایک وہ تھی جو ہنوز اپنی جگہ بیٹھی، دور افق پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ تھے۔ آنکھیں بھیگی ہوئی معلوم ہورہی تھیں۔ بال اڑ کر اس کے چہرے پر بکھر رہے تھے، مگر اسے ہوش کہاں تھا۔ وہ تو یہاں بیٹھی اپنی قسمت کو رورہی تھی۔ ہاں، قسمت کو ہی رونا چاہیے تھا اسے۔ شاید اس سے تکلیف کچھ کم ہوجاتی۔ یہ موسم کی دل فریبی، بہار کی آمد یہ سب تو انہیں ہی بھاتا ہے جن کا دل آباد ہوا اور اس کا دل تو کب کا اجڑ چکا تھا اور جن کی قسمت پر کالے بادل چھا جائیں پھر موسم کی خوش گواریت ان کے لیے بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے۔

"کیا ہوا بیٹی۔ کب سے یوں ہی بیٹھی ہو۔ گھر نہیں جانا۔" وہ خاتون کافی دیر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اب رہا نہ گیا تو اس کے قریب آگئیں۔

"گھر۔" اس کے لب ہولے سے ہلے۔ وجود میں بھی ہلکی سی جنبش ہوئی۔ چہرے پر تاریک سایہ لہرایا۔

"دکھی لگتی ہو۔ شادی شدہ بھی لگ رہی ہو۔ کیا سسرال والے اچھے نہیں؟" بینچ پر بیٹھتے ہوئے خاتون نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ کانوں میں سونے کے خوب صورت آویزے، گلے میں چین، ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی، یہ سب اس کے شادی شدہ ہونے کی طرف اشارہ کررہا تھا۔

"شادی...... ہاں ہوئی تو تھی۔" زیر لب بولتی جیسے وہ کچھ یاد کررہی تھی۔

"کیا کوئی بات ہوگئی ہے گھر میں...... شوہر کدھر ہے تمہارا۔ مجھے بتاؤ میں سمجھاؤں گی اسے۔" خاتون کو اس کی موہنی صورت پر ترس آیا۔

"شوہر......" یہ لفظ بولتے ہی آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"اوہ۔ نہیں رہا بے چارہ' بیٹا! اللہ کے کاموں میں کیا دخل۔" خاتون افسردہ ہوئیں۔

"کچھ بھی نہیں رہا میرے پاس...... سب...... سب ختم ہوگیا۔" آنسو روانی سے پلکوں کی باڑھ پھلانگتے بہہ رہے تھے اور وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھے جارہی تھی۔

"صبر کرو بیٹا۔ ویسے ہوا کیا تھا اسے؟"

"قتل...... قتل ہوا ہے اور اب کچھ بھی نہیں بچا میرے پاس۔ میرے ہاتھ خالی ہیں بالکل خالی۔" خاتون نے ہم دردی سے اس دکھی لڑکی کو دیکھا جو دکھ واذیت کی کیفیت سے دوچار تھی۔ الفاظ ٹوٹ کر اس کے منہ سے ادا ہورہے تھے۔

"بچے ہیں؟" خاتون نے پوچھا اور اس سوال پر وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔ اپنی شال سنبھالتی وہ چل پڑی۔ بینچ پر بیٹھی خاتون نے افسوس سے اس دکھی لڑکی کو دیکھا تھا جو تیزی سے قدم اٹھاتی تاریکی میں گم ہورہی تھی۔

☆☆☆

وہ آج بھی یونی ورسٹی نہیں آئی تھی۔ یہ تیسرا دن تھا جب وہ اس کے پیچھے یونی ورسٹی تک آگیا تھا۔ اسے دیکھنے اس سے بات کرنے کو بے قرار تھا اور ایک وہ تھی جو ایک ہی جھٹکے میں سارے تعلق توڑ دینے کے درپے تھی۔ بھلا جو تعلق اس کے دل سے بندھا تھا وہ اسے اتنی آسانی سے کیسے توڑ سکتی تھی۔ نہیں وہ اسے ایسا نہیں کرنے دے گا۔ اسے اس کی زندگی میں آنا ہی ہوگا۔ وہ کسی صورت اپنی محبت سے دست بردار نہیں ہوگا۔ سختی سے لب بھینچ کر سلگتے ہوئے اس نے

گاڑی اسٹارٹ کی وہ ایک ایسا ملزم تھا جس کو اس کے ناکردہ جرم کی سزا دی جانے والی تھی اور وہ کسی صورت اس زیادتی کو تسلیم نہیں کرپارہا تھا۔

☆☆☆

ڈھولک کی آواز گھر کے باہر تک گونج رہی تھی اور ساتھ لڑکیوں کی سرلگاتی آوازیں۔ ایک کے بعد ایک گانا ان کی زبان کی نوک پر دھرا تھا۔ گویا سارا اسٹاک تمام کرکے ہی انہیں سکون ملنا تھا۔ لڑکیوں کے گول دائرے کے بیچ چوکڑی مارے بیٹھی وہ مایوں کی دلہن کم اور دلہن کی سہیلی زیادہ معلوم ہورہی تھی، جو اپنے سارے ارمان نکالنا چاہ رہی ہو۔ زور و شور سے تالیاں پیٹتی اور سر ہلاتی ہوئی وہ پوری طرح سے اپنی ڈھولکی انجوائے کررہی تھی۔ دو گھنٹے سے یہ شغل جاری تھا اور نیچے بیٹھے رہنے سے اب اس کی ٹانگیں درد کرنے لگی تھیں۔ اگلے گانے کی فرمائش کرتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ تالیاں پیٹتی، ان کا حوصلہ بڑھاتی، ایک دو چکر لگا کر وہ کچھ فاصلے پر تخت پر بیٹھی امی اور خالہ کے پاس آگئی۔

"آپ دونوں اتنی دور کیوں بیٹھی ہیں؟ ادھر آئیں کوئی گانا وانا گائیں۔ ویسے مجھے یقین ہے ادھر بھی میرا ہی ذکر خیر ہورہا ہوگا۔ یقیناً امی میری شکایتیں نوٹ کروارہی ہوں گی۔" شرارت سے بولتی وہ امی کے چہرے پر خفگی صاف محسوس کررہی تھی۔

"کوئی کام تمہارا ڈھنگ کا ہے۔ حلیہ دیکھو اپنا کوئی مایوں کی دلہن مانے گا تمہیں۔" امی کے ناراضی سے بولنے پر خالہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بھانجی کو دیکھا جو اب دانت لبوں میں دبائے اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، ان پر سایہ فگن دراز پلکیں، خوب صورت نقوش میں گھلی دلکشی اور شوخی، اسٹیپس میں کٹے سیاہ چمک دار بال پشت پر بکھرے تھے جن کی کچھ لٹیں اس کے چہرے کے کٹاؤ کے ساتھ آگے کو آتی ٹھوڑی کو چھو رہی تھیں۔ دودھیا رنگت پر پیلے رنگ کا جوڑا پہنے، کلائیوں میں پیلے گجرے۔ بس ایک دوپٹا تھا جو لاپروائی سے دائیں کندھے پر جھول رہا تھا۔

"ٹھیک تو لگ رہی ہوں امی اور پھر پہلی پہلی شادی ہے۔ مجھے کوئی دلہن بننے کا تجربہ تھوڑی ہے۔" مزے سے بولتی وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی، مگر امی کے چہرے پر پھیلتی ناگواری دیکھتے ہی اسے اپنے جملے کے غلط ہونے کا احساس ہوا۔ سر پر ہاتھ رکھتے، دانت لبوں میں دبائے اور خالہ کو دیکھا جو تنبیہہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"سدھر جاؤ زینب۔ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں اپنی سسرال جاکر نہ کرنا ورنہ ہم ہی شرمندہ ہوں گے۔ لڑکیاں سوچ سمجھ کر بولتی ہی اچھی لگتی ہیں۔" امی نے سمجھایا۔

"اچھا نا امی سوری۔" زینب نے آگے ہوکر پیار سے ان کے کندھوں پر اپنے بازو پھیلائے۔ یہ اس کا مسکہ لگانے کا پرانا طریقہ تھا۔

"لیں آپ کی سمجھ دار بیٹی بھی آگئی۔ فکر نہ کریں یہ کرے گی آپ کا نام روشن۔" زینب نے شرارت سے چائے لاتی فارہ کو دیکھا۔ پیچھے لیلیٰ بھابھی بھی تھیں جو اس کا جملہ سن کر مسکرائیں۔

"تم اپنی فکر کرو۔ اس کا نمبر تو ابھی دور ہے اور پھر ہماری فارہ کو تو کتابوں سے دل لگانا خوب آتا ہے۔ یہ تم ہی ہو جس نے گریجویشن کے فوراً بعد پڑھائی کو خیر آباد کہہ کر جان چھڑالی۔" بھابھی نے شرارت سے اس پر چوٹ کی۔ تخت پر سے اٹھتی وہ ان کے قریب آئی۔ دائیں ہاتھ سے ان کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سے نمکو اچک کر منہ میں رکھتے، بائیں کہنی ان کے شانے پر رکھتے وہ بے تکلفی سے بولی۔

"ہائے بھابھی کچھ تو خیال کریں میرے معصوم سے دل کا۔ بھلا مایوں کی دلہن سے بھی کوئی پڑھائی کی باتیں کرتا ہے اور پھر زندگی کی کتاب کے اوراق پڑھنے میں تو اپنا ہی مزا ہے۔"

"ہوں۔ زندگی کے پس پردہ آپ جو کتاب پڑھنا چاہ رہی ہیں وہ مجھے سمجھ آرہی ہے اور اس کا

www.urdugem.com

ایک ورق تو کب سے منتظر ہے۔'' بھابھی کے مبہم سے لہجے پر اس نے استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

''جاؤ تمہارے منگیتر کا کافی دیر سے فون آرہا تھا۔ اس بے چارے کی بھی سن لو۔'' پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے انہوں نے بتایا۔ زینب کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔

''اہم بات آپ اب بتارہی ہیں۔ اس خوشی میں چائے رہنے دیں۔'' مسکرا کر کہتے ہوئے دوسری جانب دیکھا جہاں فارہ سب کو چائے دے رہی تھی۔

''فارہ میرے لیے جوس لے آنا۔'' دور سے ہانک لگاتی وہ دھپ دھپ کرکے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اسے دیکھتی فردوس بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''دیکھیں آپا ہر وقت اودھم مچائے رکھتی ہے یہ لڑکی۔ ہوا کے گھوڑے پر سوار ادھر سے ادھر قلانچیں بھرتی ہوئی۔ یہ ڈھنگ ہوتے ہیں بھلا لڑکیوں کے۔'' ان کی بڑی بہن فریدہ بیگم نے نرمی سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''بچی ہے۔ آج کل کی بچیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تم فکر مت کرو۔ دیکھنا سسرال جاکر اتنے اچھے سے سب سنبھالے گی کہ تم خود حیران رہ جاؤ گی۔ وقت کے ساتھ سمجھ داری آ ہی جاتی ہے۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو ورنہ آج کی لڑکیوں کے ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔ گھر بنانا، رشتے نبھانا تو انہیں آتا نہیں ہے۔ ذرا سا کچھ ہو تو بات ان کی انا پر آجاتی ہے، عزت نفس مجروح ہوجاتی ہے۔ قربانی کا تو لفظ ہی ان کے لیے بے معنی ہے۔ بس زندگی کی گاڑی کو دھکا ہی لگالیں تو کافی ہے۔ اب ہماری بڑی بہو کو دیکھ لیں۔ نند کی مہندی ہے کل اور وہ دونوں میاں بیوی دوسرے شہر سے نہیں آسکے۔ چھوٹی بہو اور بیٹا دوسرے ملک سے پہنچ گئے۔ پہلے ہی اس کے مزاج کہاں ملتے تھے اور جب سے زینب کے لیے اس کے بھائی کا رشتہ منع کیا ہے تب سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتی۔'' فردوس بیگم نے بہن کے سامنے دل کی بات کی۔

''اچھا ہی کیا زینب کا رشتہ نہیں دیا۔ بسمہ اور اس کے بھائی کا ایک سا مزاج ہے پل میں تولہ پل میں ماشہ اور تم نہ دل برا کرو۔ لیلیٰ کو دیکھو کتنی اچھی بچی ہے۔'' فریدہ بیگم نے فارہ کے ساتھ بیٹھی خوش مزاج سی لیلیٰ کو دیکھا۔

''ہوں اللہ اچھا ہی رکھے۔'' فردوس بیگم مسکرائیں۔

''آمین! اور ماشاء اللہ شہریار بھی زینب کے جوڑ کا ہے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔'' فریدہ بیگم نے دل سے دعا دی۔

☆☆☆

مہندی کا فنکشن شروع ہوچکا تھا۔ فنکشن کا اہتمام گھر کے لان میں کیا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں زینب کو لاکر خوب صورتی سے سجے اسٹیج پر بٹھادیا گیا۔ پنک اور گرین کلر کے کامبینیشن کے سوٹ میں، تازہ پھولوں کا زیور کانوں اور کلائیوں میں پہنے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ جگر جگر کرتی آنکھیں، چمکتا چہرہ، اس کے چہرے کی چمک آج ستاروں کو بھی مات دے رہی تھی۔ اسٹیج سے کچھ فاصلے پر بیٹھی زبیدہ بیگم نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیتے ہوئے یوں ہی شاد و آباد رہنے کی دعا دی اور اپنی پرنم آنکھیں چادر کے پلو سے پونچھ لیں۔ وہ اپنے رب کی شکر گزار تھیں کہ بیوگی کے بعد وہ سرخرو رہیں۔ شہریار کے لیے انہیں زینب کا انتخاب بہترین لگا تھا۔ شہریار نے ان کا بڑا بیٹا ہونے کے ناطے بہت مشکل وقت دیکھا تھا اور اب جبکہ وہ اپنے قدم جما چکا تھا۔ وہ ایک ایسی ہی زندگی سے بھرپور لڑکی کے ساتھ کا مستحق تھا۔ وہ ماتھے پر بندیا ٹھیک کررہی تھی جب فارہ اس کے ساتھ آکر بیٹھی۔

''بسمہ بھابھی کیوں اتنے نخرے سے بیٹھی ہیں۔'' دائیں طرف منہ بنا کر بیٹھی بڑی بھابھی کو دیکھتے ہوئے زینب، فارہ کے کان میں گھسی۔

''آپی چپ کر جائیں۔ سن لیا تو ناراض

ہوجائیں گی۔'' فارہ نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''ابھی بھی کون سا خوش ہیں۔ لگ رہا ہے زبردستی بٹھایا گیا ہو ان کو نیچے ہی لے جاؤ ورنہ ساری پکچرز خراب کردیں گی۔'' زینب کے چپ ہوتے ہی بسمہ بھابھی کو اپنی طرف دیکھتا پاکر فارہ ہنسی کہیں یہ الفاظ ان کے کانوں تک نہ پہنچ گئے ہوں، مگر انہیں خاموش دیکھ کر فارہ نے سکھ کا سانس لیا۔ زینب کی متلاشی نظریں اسٹیج سے نیچے مہمانوں پر تھیں۔

''جاؤ میری ساس کو بلا کر لاؤ۔ وہ امی اور خالہ کے ساتھ باتیں کررہی ہیں۔'' زینب نے کہا اور اسٹیج سے آتی لیلیٰ بھابھی کو دیکھ مسکرائی۔ ''شکر ہے آپ آئیں تو۔ کب شروع کریں گے رسمیں؟''

''صبر چندا۔ ابھی پورا کرتے ہیں تمہارا یہ شوق بھی۔'' شرارت سے اس کی ٹھوڑی ہلاتی وہ اسے چھیڑنے کو بولیں اور فارہ کو رسم کی چیزیں لینے بھیجا۔ امی کو وہ پہلے ہی کہہ آئی تھیں۔ وہ اور خالہ زینب کی ساس کو اسٹیج پر ہی لارہی تھیں۔

''مجھے تو اب نیچے ہی اتر جانا چاہیے۔'' بسمہ بھابھی نے بظاہر خود سے کہتے ہوئے انہیں سنایا اور اپنی جگہ سے اٹھیں۔

''ایسے کیوں کہہ رہی ہیں بھابھی۔ بیٹھیں نا۔'' لیلیٰ بھابھی جلدی سے بولیں۔ زینب بھی انہیں دیکھنے لگی۔

''چھوڑو لیلیٰ تم لوگ رسم شروع کرو۔ میرے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑجائے گا۔ ویسے بھی اس گھر کے لوگ مجھے غیر سمجھتے ہیں۔ میں بھی پھر غیروں کی طرح ہی شرکت کروں گی نا۔'' استہزائیہ انداز میں کہتی وہ اسٹیج سے اتر گئیں۔ زینب اور لیلیٰ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ اس خود ساختہ ناراضی کا وہ کیا کرتیں جب کوئی خود ہی کسی چیز میں شامل نہ ہونا چاہے۔

انہیں تلاش کرتا وہ اس طرف آیا تھا۔ متلاشی نظریں عورتوں پر سے ہوتی اس پر ٹھہر گئیں۔ پہلی بار وہ یوں ہار سنگار کیے سامنے کھڑی تھی۔ اس سے پہلے جتنی بار بھی اسے دیکھا تھا وہ خود سے لاپروا سادہ سے حلیے میں نظر آئی تھی۔ اس کی آنکھیں زیادہ پرکشش تھیں یا چہرے کے نقوش وہ فیصلہ نہ کرپایا۔ کوئی ایسی کشش تھی اس کے پورے وجود میں کہ اسے دیکھتے ہی ایک سحر سا اپنے گرد بندھتا محسوس ہونے لگتا۔ اپنا نام پکارے جانے پر وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔ خود کو سرزنش کرتا وہ آگے بڑھنے لگا۔ زندگی کے اس اسٹیج پر وہ فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ یہ صرف وقتی کشش تھی جو اس کی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کردیتی تھی یا پھر محبت؟ اور اگر یہ محبت تھی تو کب اور کیسے ہوگئی تھی؟

☆☆☆

کہتے ہیں شادی کے بعد زندگی تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس کی زندگی بھی بدل گئی تھی، مگر یہ بدلاؤ اس قدر خوش گوار ہوگا یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس گھر میں وہ ایسے گھل مل گئی تھی جیسے ہمیشہ سے یہیں رہی ہو۔ شہریار کی فیملی چھوٹی سی تھی۔ زبیدہ بیگم نہایت سادہ خاتون تھیں اور اتنی محبت کرنے والی کہ زینب کو وہ بالکل بھی روایتی ساس نہ لگیں۔ پھر زین تھا اس کا دیور جو ہمیشہ خوش گوار موڈ میں رہتا۔ ایک خیر مقدمی مسکراہٹ اکثر اس کے چہرے کا احاطہ کیے رکھتی۔ گھر کا لاڈلا ہونے کے باوجود اس میں لاپروائی نہیں تھی بلکہ وہ خاصا ذمہ دار اور اماں کے معاملے میں حساس بھی تھا۔ خود شہریار اس قدر اچھا، خیال رکھنے والا اور محبت کرنے والا تھا کہ اسے اپنی قسمت پر رشک آنے لگتا۔ ان چند دنوں میں وہ اتنی بہت سی محبتیں پاکر اور حسین لگنے لگی تھی۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹتی محسوس ہوتی۔ آنکھوں میں روشنیاں سی اتر آتیں۔ وہ زینب تھی جس کی قسمت اسی کی طرح خوب صورت تھی۔

☆☆☆

وہ دونوں کارنر والی ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ ان کے بائیں طرف گلاس وال تھی۔ جہاں سے ریسٹورنٹ کا لان نظر آرہا تھا۔ لان کے درمیان میں پتھروں سے اونچی جگہ بنائی گئی تھی۔ اونچائی سے

www.urdugem.com

پانی بہتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ دیکھنے پر یوں لگتا جیسے آبشار بہہ رہی ہو۔ لان کی لائٹس پانی پر پڑ رہی تھیں جس سے اس کی خوب صورتی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ زینب کو محویت سے باہر کا منظر دیکھتے پا کر شہریار نے کھنکارتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

''میرا خیال ہے میں اپنے لیے ہی آرڈر کرلوں۔ تم تو کھانے کے موڈ میں نہیں لگ رہیں۔'' مینو کارڈ دیکھتا وہ شرارتی انداز میں بولا۔

''بہت برے ہیں آپ۔ پہلی بار بیوی کو کھانے پر لائے ہیں اور اس پر یہ بچت کرنے کے بہانے۔'' زینب نے بھی مینو کارڈ پر نظریں دوڑائیں۔

''اچھا تمہیں یہ بچت کے بہانے لگ رہے ہیں اور جو بیوی اتنی ناقدری ہے کہ سامنے بیٹھا اتنا ہینڈسم شوہر نہیں نظر آ رہا۔'' مزے سے بولتا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جو اتنے تھوڑے سے دنوں میں اس کی زندگی میں ہی نہیں دل میں بھی آ بسی تھی۔

''میں آپ کو دیکھتی رہوں اور آپ سارا کھانا کھا جائیں۔ جی نہیں آج تو میں آپ کا خوب خرچا کرواؤں گی۔'' لب دانتوں میں دباتی وہ بولی۔ نگاہیں مینو کارڈ پر تھیں اور آنکھوں میں شوخی صاف نظر آ رہی تھی۔ شہریار محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا۔

''پھر آج میں اپنی جیب خالی ہی سمجھوں۔'' خوش گوار ماحول میں کھانا کھاتے، اپنی باتیں کرتے وہ دونوں ممکن سے اپنی زندگی کے اس خوب صورت وقت کو انجوائے کر رہے تھے۔ کھانے کے بعد زینب پھر سے گلاس وال سے باہر کا منظر دیکھنے لگی تھی۔ شہریار واش روم گیا تھا۔ پانچ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔ بیٹھتے ہی اس نے زینب کا ارتکاز نوٹ کیا۔

''باہر کا منظر تمہیں کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا ہے۔''

''ہوں۔ مجھے لان بہت فیسینیٹ کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے گھر کے لان کو خوب صورتی سے سجاؤں اور یہ جو پتھروں پر پانی بہہ رہا ہے نا۔ یہ تو میں نے بارہا اپنے تصور میں سوچا تھا۔'' اس کی طرف دیکھتے وہ بچوں کے سے اشتیاق سے بولی۔

''چلو پھر تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ تمہارے لیے ایک خوب صورت سا گھر بناؤں گا جس کے لان کو تم اپنی مرضی سے سجانا جیسے دل چاہے۔'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلنے والے ان لفظوں میں عہد تھا تو آنکھوں میں یقین۔ چونک کر اس کی طرف دیکھتی زینب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اب کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کرو۔'' اس کی اس عجیب سی فرمائش پر زینب حیران ہوئی۔

''کیوں۔''

''بس کرو نا۔'' وہ بضد تھا۔

''دیکھیں اگر آپ بل ادا کیے بغیر یہاں سے جانے والے ہیں تو سن لیں، میں یہ مذاق بالکل برداشت نہیں کروں گی۔'' زینب کے دھمکی دینے والے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

''بے فکر رہو تمہیں چھوڑ کر میں کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔'' خوب صورت لہجے میں بولتا وہ محبت کے ورق پر ایک اور عہد لکھ رہا تھا۔ زینب نے آنکھیں بند کرلیں۔ پانچ منٹ بعد شہریار کے کہنے پر اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ ان کے درمیان موجود ٹیبل پورا سج چکا تھا۔ اس کے بالکل سامنے چاکلیٹ کیک رکھا گیا تھا اور باقی سارا ٹیبل چھوٹی چھوٹی کینڈلز سے سجایا گیا تھا۔

''شہریار یہ سب.....!'' حیرانگی سے سب دیکھتی وہ نگاہیں اٹھا کر اسے استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

''ہیپی برتھ ڈے ڈیر وائف۔'' مسکرا کر اسے وش کرتا وہ اس کے چہرے پر پھیلے حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔

''میری برتھ ڈے۔'' زیرلب بولتی جیسے وہ تاریخ یاد کر رہی تھی۔

''مگر میری برتھ ڈے تو کل ہے۔'' اسے یاد

آ گیا تھا۔

''ہاں تو دو گھنٹے ہی رہ گئے ہیں۔'' گھڑی دیکھتے ہوئے وہ مزے سے بولا۔ ''میں چاہتا تھا اس نہار میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے ساتھ تم اپنا یہ اسپیشل ڈے سیلیبریٹ کرو۔'' آنکھوں میں محبت سموئے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

زینب کے کیک کاٹنے کے بعد اس نے گولڈ کا بریسلٹ اس کی نازک کلائی میں پہنایا۔

''کیسا لگا سرپرائز۔''

''بہت اچھا۔ سب کچھ خواب سا لگ رہا ہے۔'' بریسلٹ پر سے نظر ہٹاتی بے ساختگی میں کہہ گئی۔

''ہوں یعنی میں تمہارے خوابوں میں آنے والا شہزادہ ہوں۔'' اس کے چہرے پر پھیلی مسکان دیکھتے ہوئے وہ شرارتی انداز میں بولا۔

''جو دل میں آ بسیں ان کے خوابوں میں آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔'' محبت سے اسے دیکھتی وہ سوچ رہی تھی۔ اسے ٹکٹکی باندھ کر خود کو دیکھتے پا کر شہریار نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور وہ جھینپ کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

☆☆☆

''ہوں کیا خوشبو ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مجھے پتا چل گیا تھا۔ آج اماں کے ہاتھ کی بریانی کھانے کو ملے گی۔'' گہرا سانس لے کر خوشبو اپنے اندر اتارتا وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''دیکھ لیں بھابھی شادی کے بعد ایسے نمبر بنائے جاتے ہیں۔ آپ بھی کچھ سیکھ لیں۔'' زین نے شرارت سے کرسی پر بیٹھتی زینب سے کہا۔

''بھئی یہ تو سچ ہے میری اماں بہت اچھا کھانا بناتی ہیں۔ اس میں نمبر بنانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنے ہاتھ کا ذائقہ ہمیں چکھانا ہی نہیں چاہتا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بغیر کھائے تو خالی خولی تعریف نہیں کر سکتے۔'' شہریار نے اپنے ساتھ بیٹھی زینب کو چھیڑتے ہوئے مسکراہٹ دبائی۔ اس سے پہلے کہ زینب اس الزام پر احتجاج کرتی اماں بول پڑیں۔

''میں نے خود روکا ہے زینب کو۔ شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو یہ کچن میں چولہا ہانڈی کرنے کھڑی ہو جائے۔''

''بڑے لگی ہیں بھائی آپ۔ ساس بہو والی ٹینشن سے تو بچت ہی رہے گی۔'' بریانی کے اوپر رائتہ ڈالتے ہوئے زین مزے سے بولا۔

''اللہ خیر کرے دن پھرتے دیر نہیں لگتی۔'' شہریار نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔

''بری بات بیٹا۔ ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ کھانا شروع کرو۔'' اماں نے دونوں کو ٹوکا۔

''میری اور اماں کی تم فکر نہ کرو۔ اپنی بیوی کی خیر مناؤ جس نے ابھی آنا ہے۔'' زینب نے زین کو گھورا۔

''وہ معصوم بیچ میں کدھر سے آ گئی۔'' زین کے کہنے کی دیر تھی۔ زینب اور شہریار نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے ''معصوم'' لفظ پر زور دیا۔

''دیکھ رہے ہیں ہم۔ ابھی سے کتنا خیال ہے تمہیں اس معصوم کا۔'' شہریار نے اماں کو ٹہوکا دیا۔ جو زیرلب مسکرائے جا رہی تھیں۔

''ہاں تو ہونا چاہیے نا خیال۔ بیوی کی ایک الگ حیثیت ہوتی ہے جس کی نفی نہیں کی جا سکتی اور پھر ماں کی تو کیا بات ہے۔ میری اماں کی حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔'' متحمل انداز بولتا آخر میں وہ اماں کو دیکھ کر مسکرایا۔ شہریار سنجیدگی سے زینب کی طرف جھکا۔

''نوٹ کر رہی ہو زینب نمبر کیسے بنائے جاتے ہیں۔'' اماں سمیت سب ہی بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

''بیٹے پڑھائی پر دھیان دیں۔'' شہریار نے ہنستے ہوئے کہا۔ جس پر زین جھینپ کر کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔

''بیٹا تم نے کب جانا ہے۔'' اماں کے پوچھنے

www.urdugem.com

پر زینب کا بریانی ڈالتا ہاتھ رکا۔

''ہفتہ ہی رہ گیا ہے اگلے اتوار کو میری فلائٹ ہے۔'' چاولوں سے بھرا چمچہ منہ میں رکھتے شہریار نے بتایا۔ زینب نے مزید بریانی ڈالنے کے بجائے ڈش واپس رکھ دی۔ اس کا دل ایک دم سے اچاٹ ہوگیا تھا۔ جلدی سے پلیٹ خالی کرتی وہ برتن سمیٹنے کے لیے اٹھ گئی۔ اماں بھی ساتھ ہی اٹھ گئیں۔ وہ اسے زیادہ کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ کچن بھی خود ہی سنبھالتی تھیں۔ وہ خود ہی ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ شہریار زین سے اس کی پڑھائی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

''یہ سال ختم ہوتے ہی تم باہر کی یونیورسٹیز میں اپلائی کرنا۔''

''جی میں بھی سوچ رہا ہوں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کروں پر اماں کا خیال آتا ہے۔'' زین تذبذب کا شکار تھا۔ ان کی آوازیں کچن تک آرہی تھیں۔ زینب برتن سمیٹ رہی تھی اور اماں چولہے پر چائے رکھ رہی تھیں۔

''زین یہ میری اور اماں دونوں کی خواہش ہے۔ تمہیں اسکالرشپ ملے یا نہ ملے میں تمہیں سب سے اچھی یونی ورسٹی سے پڑھانا چاہتا ہوں بلکہ میرے خیال میں تمہیں ایک آدھ سال باہر جاب کر کے ایکسپیرینس بھی لینا چاہیے۔'' شہریار کے لہجے میں اس کے لیے باپ جیسی فکر تھی۔

''پر بھائی یہاں اماں اور بھابی..... میں کیسے جاسکتا ہوں۔''

''چلو کچھ سوچتے ہیں ابھی تو ٹائم ہے۔'' پھر تھوڑی گپ شپ کر کے دونوں اٹھ گئے تھے۔ سائڈ ٹیبل پر چائے کا کپ رکھتی زینب کے چہرے پر پھیلی افسردگی کو اس نے نوٹ کیا۔

''کیا ہوا ہے۔'' شہریار کے پوچھنے پر وہ نفی میں سر ہلاتی مڑی تھی۔ جب اس نے ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھالیا۔ ''اداس ہو؟''

''آپ جارہے ہیں؟'' اس نے نظریں اٹھا کر مدھم سی امید کے سہارے اسے دیکھا، جیسے وہ کہہ ہی دے گا کہ اسے کہیں نہیں جانا۔

''میرے جانے میں ابھی دن ہیں۔ پر جانا تو مجھے ہے نا زینب۔ انگلینڈ میں میری جاب ہے۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''آپ یہاں جاب کرلیں نا۔ اتنے سالوں کا تجربہ ہے آپ کے پاس کوئی نہ کوئی اچھی جاب مل جائے گی۔'' اس کے بولنے پر وہ مسکرایا۔

''ایک دم سے میں چھوڑ نہیں سکتا کانٹریکٹ کیا ہے اور پھر میں تمہارے اور اماں کے لیے ایک خوب صورت سا گھر بنانا چاہتا ہوں۔ زین کو پڑھانا ہے اور اس کے لیے دو تین سالوں تک مجھے یہ جاب کرنی پڑے گی۔ پھر ہی میں واپس آکر یہاں بزنس کرپاؤں گا۔''

''اتنی جلدی جارہے ہیں مہینہ بھی نہیں ہوا ہماری شادی کو۔'' زینب نے خفگی سے شکوہ کیا۔

''مجھے آئے ہوئے بھی تو تین مہینے ہوگئے ہیں۔ آیا تو میں دو مہینوں کے لیے تھا پر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس بار میں شادی کر کے جاؤں گا۔ کیا کریں اماں نے لڑکی ہی ایسی پسند کی کہ میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگیا۔'' شرارت سے اس کے بالوں کی لٹ چھیڑتا وہ شوخ ہوا۔

''چائے ٹھنڈی ہورہی ہے۔'' زینب نے جھینپ کر کہا۔

''پہلے چائے بنانے والی کو تو دیکھ لوں۔'' جذب سے بولتا وہ اسے دیکھے گیا۔

''میں نے نہیں بنائی۔ اماں نے بنائی ہے۔ بلاؤں انہیں۔'' اس نے لب دانتوں میں دبائے اپنی ہنسی روکی۔

''نہیں مہربانی۔ فی الحال میں پلانے والی سے گزارا کرلوں گا۔'' مزے سے بولتے ہوئے اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے چائے پینے لگی۔

☆☆☆

اسے آوازیں دیتا وہ لاؤنج میں آیا تھا۔ وہ زرینہ کے ساتھ برتن سمیٹ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی چند مہمان خواتین اس سے مل کر گئی تھیں۔ زرینہ کے ہاتھ میں ٹرے تھماتی وہ شہریار کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کوئی کام ہے آپ کو۔''

''ہوں تم آؤ ذرا میری شرٹ کا بٹن لگا دو۔'' سنجیدگی سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شرارت تھی جو زینب نے محسوس کر کے اسے گھورا تھا۔

''کہیں جارہے ہو؟'' اماں نے اسے تیار دیکھ کر پوچھا۔

''جی ایک دوست سے ملنا تھا۔ تیار ہورہا تھا پر اس شرٹ کا بٹن ٹوٹ گیا۔'' شرٹ کے بائیں بازو کا بٹن وہ ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ نظریں زینب کے اٹھنے کی منتظر تھیں۔

''اماں یہ ان کی شرٹس کے بٹن کچھ زیادہ ہی نہیں ٹوٹنے لگے۔ کل بھی جو شرٹ پہنی تھی اس کا بٹن ٹوٹا ہوا تھا۔'' متبسم لہجے میں بولتی وہ اماں سے مخاطب تھی۔

''بٹن کچے ہوگئے ہوں گے۔ تم ایسا کرو ساری شرٹس مجھے لادو میں سب کے بٹن پکے کردوں گی۔'' اماں سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے اماں۔ ابھی تو تم آؤ نا۔ مجھے دیر ہورہی ہے۔'' اماں سے کہہ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

''اماں آپ بٹن لگا دیں میں کچن میں سالن دیکھ لیتی ہوں اسے دم آگیا ہوگا۔''

''ہاں دیکھ لو کافی دیر ہوگئی اسے رکھے۔'' زینب سر ہلاتی اپنی مسکراہٹ دبائی اٹھ گئی۔ اس کی طرف دیکھے بغیر بھی جانتی تھی کہ اس وقت وہ اسے ہی گھور رہا ہوگا۔ دس منٹ بعد وہ کمرے میں گئی تھی۔ جوتے پہننے کے بعد اب وہ آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔ زینب کھنکارتی ہوئی اس کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئی۔

''یہ ناراضی کب تک چلے گی۔'' لب دانتوں میں دبائے وہ پوچھ رہی تھی۔

''جاؤ تم اپنے ضروری کام نمٹاؤ۔'' پرفیوم کا بے دریغ استعمال کرتا وہ خفگی سے بولا۔

''اچھا اب چھوڑ دیں نا۔ میں تو آپ کو تنگ کررہی تھی۔ آپ بھی تو روز اس بہانے سے مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور چہرہ دیکھیں اپنا بالکل بچوں کی طرح منہ پھلا لیا ہے۔'' اس کے خفگی بھرے تاثرات پر وہ ہنسی تھی۔

''ابھی تمہیں میری پروا نہیں ہے۔ جب چلا جاؤں گا اور مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا تب قدر آئے گی۔'' کلائی پر گھڑی باندھتا وہ مڑا۔ اس سے پہلے کہ آگے بڑھتا زینب نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''کچھ بھی بول دیتے ہیں آپ۔ میرے جذبات کی بھی پروا ہے۔ ایک چھوٹی سی شرارت ہی تو کی تھی۔'' اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر وہ شرمندہ ہوا۔

''سوری میرا وہ مطلب نہیں تھا چلو اب مسکرا دو تاکہ میں جاؤں۔ عمر انتظار کررہا ہوگا۔'' اس کی فرمائش پر وہ بھیگی پلکوں کے ساتھ زبردستی مسکراہٹ چہرے پر لائی۔

''ایسے نہیں صحیح سے مسکراؤ۔ پتا ہے زینب، تمہاری مسکراہٹ مجھے بہت پیاری لگتی ہے کیونکہ جب تم دل سے مسکراتی ہو نا تو ساتھ میں تمہاری یہ خوب صورت آنکھیں بھی مسکرانے لگتی ہیں۔ ایک چمک ہوتی ہے ان آنکھوں میں کہ بس دیکھتے رہنے کو دل چاہتا ہے۔ ہمیشہ ایسے ہی مسکرانا۔'' جذب سے بولتا وہ اس کیا آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہ اپنا عکس صاف دیکھ سکتی تھی۔

''اچھا بہت ہوگئے ڈائیلاگز۔ جائیں دیر ہورہی ہے۔'' اپنے کندھوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹاتی وہ پیچھے ہوئی، چہرے پر بڑی پیاری مسکان پھیلی تھی۔

''ویسے میں نے سنا ہے میاں کی محبت کا بخار چار دن کا ہوتا ہے۔ کچھ سالوں بعد بیویوں کی تعریف کرنا بھی بھول جاتے ہیں۔'' کمرے سے نکلتی وہ

www.urdugem.com

شرارت سے بولی۔

''ہائے، اگر یہ بخار ہے تو میں تمام عمر اسی بخار میں تپتا رہوں اور اف تک نہ کروں۔'' محظوظ ہوتا وہ اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا۔

☆☆☆

دو دن بعد وہ چلا گیا تھا۔ شروع شروع میں وہ پہروں بیٹھ کر اس کے فون کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اسکائپ پر بھی دن میں ایک آدھ بار بات ہو جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے اماں کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کا دھیان بھی بٹا رہتا تھا۔

سال بعد حذیفہ اس کی گود میں آ گیا پھر تو جیسے مصروفیت ہی مصروفیت تھی۔ سارا دن اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہی گزر جاتا۔ اس کی پیدائش پر شہریار بھی مہینے کی چھٹی لے کر آیا تھا اور یوں زندگی کا پہیہ چلنے لگا۔ چار سال کے بعد اس کی گود میں مشال آ گئی تھی۔ اب تو وہ بھی گھٹنوں کے بل چلنے لگی تھی۔ پانچ سال گویا زندگی کی کتاب کے وہ ورق تھے جو تیزی سے پلٹ دیے گئے تھے۔ اس دوران زین بھی اسکالرشپ پر پڑھنے امریکا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے سے پہلے ہی زبیدہ بیگم نے اپنے بھائی کو بلا لیا تھا جو سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ مجیب احمد سائیکالوجی کے ریٹائرڈ پروفیسر تھے۔ بیوی سالوں پہلے وفات پا چکی تھی۔ بچے تھے نہیں اور دوسری شادی کرنے پر وہ بھی رضامند نہ ہوئے تھے۔ بس کتابیں تھیں جن سے انہوں نے اٹوٹ رشتہ جوڑ رکھا تھا۔ زبیدہ بیگم کے بلانے پر وہ بغیر کسی پس و پشت کے اپنا شہر چھوڑ آئے تھے۔ کہہ کر تو وہ یہی آئے تھے کہ بھتیجوں کے آتے ہی واپس چلے جائیں گے پر اب کتابوں کے ساتھ ساتھ بچوں میں بھی ان کا خوب دل لگ گیا تھا۔

☆☆☆

''زینب آپی سے جیسے ہی سنا، تم آ رہے ہو میں نے سوچ لیا اس بار تو سارے دوست اکٹھے ہوں گے۔ یونی ورسٹی کے بعد سب ایسے غائب ہوئے ہیں۔ پچھلی بار تم آئے بھی تھوڑے سے دنوں کے لیے تھے۔ کوئی پلان ہی نہیں بن سکا تھا۔'' گاڑی ڈرائیو کرتا عمار مسلسل بولے جا رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ بیٹھے زین نے تائید میں سر ہلایا۔

''ہوں۔ سب مصروف تھی تو ہو گئے ہیں۔''

''تم اپنا بتاؤ۔ تم کب تک ہو پاکستان میں؟'' عمار نے پوچھا۔

''پچھلی بار تو ہفتہ ہی رہ سکا تھا۔ نئی جاب تھی اور جوائننگ دینی تھی۔ پر اس بار دو مہینے کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔'' باہر کے بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھتے ہوئے زین نے بتایا۔

''ویٹس گریٹ یار۔ پھر میں سب کو اکٹھا کرتا ہوں۔ مل کر گپ لگاتے ہیں۔'' عمار خوش ہوا تھا۔ اسے گاڑی روکتے دیکھ کر زین نے چونک کر کالونی کو دیکھا اور اس گھر کو، جس کے سامنے عمار نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

''ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ حیران سا اس کی طرف مڑا۔ پچھلی سیٹ سے سفید رنگ کا شاپر اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے عمار بولا۔

''اس کے لیے۔ زینب آپی نے دیا تھا کہ راستے میں ڈراپ کرتا جاؤں۔'' زین نے سر ہلایا۔

''اترو بھی۔'' اسے بیٹھے دیکھ کر اشارہ کیا۔

''میں جا کر کیا کروں گا۔ تم دے آؤ۔''

''مانا کہ میری پھوپھو کا گھر ہے پر تمہاری بھابھی کا میکا بھی تو ہے۔ چل آ جا۔'' گاڑی سے نکلتا وہ اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔

عمار نا صرف اس کے بچپن کا دوست تھا بلکہ دونوں کی ماؤں میں بھی اچھی دوستی تھی اور عمار کے بڑے بھائی کی شادی میں ہی زبیدہ بیگم نے زینب کو پسند کیا تھا جو کہ عمار کی پھوپھی زاد کزن تھی۔

زین بھی گاڑی کا دروازہ بند کرتا اس کے قریب آ گیا۔ گیٹ چوکیدار نے کھولا۔ عمار کو پہچان کر وہ انہیں اندر لے گیا۔ فردوس بیگم انہیں دیکھ کر خاصی خوش ہوئیں۔ دونوں کا حال احوال پوچھتیں، انہیں

بیٹھنے کو کہا۔

''نہیں آنٹی بس ہم چلتے ہیں۔'' زین نے انکار کرنا چاہا۔

''اتنی تو آئے ہو بیٹا۔ ایسے کھڑے کھڑے دروازے سے میں رخصت نہیں کروں گی۔'' فردوس بیگم نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اس کو چھوڑیں پھوپھو۔ یہ تو خواہ مخواہ تکلف کر رہا ہے پر میں تو چائے پی کر ہی جاؤں گا۔'' عمار دروازے سے بولتا پھیل کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ زین اسے گھورتا ہوا ساتھ بیٹھا۔ فردوس بیگم مسکرائیں۔

''کیوں نہیں میں ابھی چائے پلواتی ہوں۔''

''امی۔ آپ کا جوڑا میں نے استری کر دیا ہے۔'' اپنے آپ میں مگن وہ ہوا کے جھونکے کی طرح اندر آئی تھی۔ لہجے میں وہی دھیما پن، چہرے پر وہی معصومیت اور وہی کشش جو سالوں پہلے بھی اسے اپنے حصار میں لے لیتی تھی۔ ایسا کیا تھا اس لڑکی میں کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اچھا ہی نہیں لگا تھا۔ آج بھی اس کی نگاہیں جیسے پلٹنا بھول گئی تھیں۔

ہلکا گندمی رنگ، گہری سیاہ آنکھیں، گھنی پلکیں، چہرے پر دھیمی مسکراہٹ جو عمار کی کسی بات پر اس کے لبوں پر پھیلی تھی۔ آج بھی وہ عام سے حلیے میں تھی۔ لیمن اور براؤن کنٹراسٹ کا سوٹ پہنے، دوپٹا پہلے کی طرح کندھوں پر پھیلانے کے بجائے سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ یہ ایک واحد تبدیلی تھی جو نظر آ رہی تھی۔ عمار کے، کھنکارتے ہوئے پکارنے پر اور ساتھ میں کہنی مارنے پر وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔

''جاؤ فارہ۔ بھائیوں کے لیے چائے بناؤ۔'' اس کی حالت سے بے خبر فردوس بیگم نے بیٹی سے کہا۔ زین نے پہلو بدلتے ہوئے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی مسلی، شرمندگی سے اس کا پورا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں ایسے جھک گئی تھیں جیسے اب نہ اٹھانے کی قسم کھائی ہو۔

''جاؤ شاباش فارہ اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔ زین بھائی کے تو سر میں بھی درد ہے۔'' عمار کے کہنے پر سر جھکائے بیٹھے زین کو دیکھا اس نے سر ہلایا۔

''جی..... میں پین کلر بھی لے آتی ہوں۔'' پھر سارے وقت عمار ہی بولتا رہا تھا۔ زین چپ چاپ چائے کے گھونٹ بھرتا رہا، جو وہ تھوڑی دیر بعد دے کر گئی تھی اور اس بار اسے دیکھنے سے گریز ہی برتا تھا۔ چائے واقعی میں اچھی تھی یا اسے ہی خاص لگی۔ وہ فیصلہ نہ کر پایا۔

☆☆☆

عمار نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے دیکھا جو سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے باہر دیکھ رہا تھا۔

''یہ تمہارا کھویا کھویا انداز سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تمہارا واہم ہے۔'' اسی حالت میں بیٹھے زین نے تردید کی۔

''او کے..... میں بتانا بھول گیا۔ میری منگنی ہو رہی ہے اور جیسی اسپیڈ میری والدہ کی ہے۔ عنقریب سمجھو شادی کے کارڈ بانٹ رہا ہوں گا۔'' مزے سے بولتا وہ ہنسا تھا۔

''اچھی بات ہے اب میں اگلی بار آؤں تو تمہارے ہاتھ میں کارڈ ہونا چاہیے۔'' زین مسکرایا۔

''ایسا ہی ہونے والا ہے۔ میری والدہ صاحبہ یوں ہی اچانک حملہ کرتی ہیں۔ اب ایک دم ہی طے کر لیا کہ اپنی نند کی بیٹی بیاہ کر لاؤں گی۔ خاندان سے باہر رشتہ جوڑنے کا سوچ کر ہی انہیں ٹھنڈے پسینے آنے لگتے ہیں۔'' عمار نے اپنے مخصوص ہلکے پھلکے انداز میں بولتے ہوئے اس کی جانب دیکھا جو ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔ چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات تھے۔

''تمہیں کیا ہوا ہے۔'' عمار نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' نظریں چراتے ہوئے اس کے سینے میں سانس اٹکا تھا۔

''پھر چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ بائے داوے میری دو پھپھو ہیں اور وہ خوش نصیب میری بڑی پھپھو کی بیٹی نگین ہے۔'' عمار نے سنجیدگی

www.urdugem.com

سے بتایا۔ ''سانس آرہی ہے یا گلوکوز پلاؤں۔'' اس کے حلق میں اٹکا سانس صحیح معنوں میں بحال ہوا تھا۔ پر ایک شرمندگی کا احساس سا تھا۔ اسی لیے عمار کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''مجھے کیا ہونا ہے۔''

''بدھو نہیں ہوں میں، آنکھیں ہیں میرے پاس اور نظر بھی بالکل صاف آتا ہے اور شک تو مجھے تب ہی ہوگیا تھا جب زینب آپی اور شہریار بھائی کی شادی ہوئی تھی اور آج تو ماشاء اللہ کیا کارکردگی دکھائی ہے۔ اب تو مان لے یہ اثرات نہایت خطرناک ہیں۔''

''مان تو لیا ہے۔'' زین زیرلب مسکرایا۔

''مجھے نہیں پتا، تمہیں سن کر کیسا لگے گا۔ پر اب تم جان ہی چکے ہو تو میں انکار نہیں کروں گا۔ شروع میں مجھے یہ ہی لگا کہ یہ محض اٹریکشن ہے، جو مجھے پہلی بار کسی کے لیے محسوس ہوئی ہے۔ پر آج میں مانتا ہوں کہ یہ محبت کا جذبہ ہے جو بہت عرصے سے میرے دل میں پنپ رہا تھا اور یہ بھائی کی شادی سے بھی پہلے کی بات ہے۔ یاد ہے جب ہم یونی ورسٹی سے بنک کر کے آؤٹنگ کے لیے گئے تھے اور وہ اپنی دوستوں کے ساتھ کالج ٹرپ پر آئی تھی۔ تب ہی وہ دل میں اتر گئی تھی اور پھر میں کبھی اسے بھول نہیں سکا۔'' نگاہیں جھکائے وہ اعتراف کر رہا تھا۔ عمار نے گہرا سانس لیا۔ اسے بھی وہ دن یاد آ گیا تھا۔

''برا نہیں لگا مجھے، کیوں کہ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں، نہ تم ایسے دل پھینک ہو اور نہ تمہاری نیت میں کھوٹ ہے اور پھر اتنا اچھا لڑکا میں کیوں ہاتھ سے جانے دوں۔ فوراً آنٹی سے بات کرو اور رشتہ بھیجو۔ اچھی لڑکیاں جلدی رخصت ہو جایا کرتی ہیں۔'' عمار نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''اب یہ ہی کروں گا۔'' زین بھی محظوظ ہوا۔

''شکر کرو میرے جیسا اچھا دوست ساتھ تھا۔ وہ تو میں نے پھوپھو کو باتوں میں لگا لیا۔ ورنہ جس طرح تم اسے دیکھ رہے تھے اور چائے کو کسی پر لطف جام کی طرح ہولے ہولے پی رہے تھے۔ انہیں تمہاری ذہنی حالت پر شک ہو جاتا تھا۔'' عمار کے چوٹ کرنے پر وہ محض مسکراتا رہا۔ وہ خوش تھا اور یہ خوشی اس کے چہرے پر صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ فارہ سے محبت کا اعتراف کر کے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ ایک الجھن کا سرا مل گیا تھا۔

☆☆☆

زین کے منہ سے فارہ کا نام سن کر زبیدہ بیگم بہت خوش ہوئی تھیں۔ ان کے دل میں بھی یہ ہی خواہش تھی کہ زینب کے بعد اب فارہ کو بھی اس گھر کی بہو بنا کر لے آئیں۔ زینب اگر اپنے چلبلے پن کی وجہ سے پسند آئی تھی۔ تو فارہ کا دھیما انداز انہیں بھا گیا تھا۔ پھر جس طرح آناً فاناً دونوں گھرانوں کے درمیان سب کچھ طے پا گیا تھا۔ زین کو اپنے اوپر رشک آیا تھا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ سب کچھ اس قدر سہل ہوگا کہ اس کے منہ سے نکالتے ہی فارہ اس کی قسمت میں لکھ دی جائے گی۔ زبیدہ بیگم اور زینب تو جا کر فارہ کو انگوٹھی بھی پہنا آئی تھیں۔ جبکہ شادی اس کے ایگزامز کے بعد، زین کے اگلی دفعہ آنے پر ہونا طے پائی تھی۔ ورنہ زبیدہ بیگم کا تو بس نہ چلتا تھا کہ اپنے لاڈلے کی خوشی کو پورا کرنے کے لیے ابھی فارہ کو بیاہ لاتیں۔

☆☆☆

شہریار کی اچانک آمد نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ زبیدہ بیگم کے گھر میں گویا خوشیاں سی اتر آئی تھیں۔ سب ہی گھل مل کر بیٹھے، خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ حذیفہ باپ سے چپکا بیٹھا تھا اور مشال ہاتھ پاؤں ہلاتی ساتھ میں شور مچاتی اس کے پاس آنے کے لیے ہمک رہی تھی۔ سال بھر کی بچی کے اس قدر احتجاج پر زین نے اسے اپنی گود سے شہریار کی گود میں منتقل کیا تھا۔

''لیں بھئی اپنی لاڈلی کو..... اب یہ ہمیں کہاں لفٹ کرائے گی۔'' زین نے شرارت سے مشال کی ناک ہلائی جو مزے سے باپ کی گود میں بیٹھی تالیاں

بجا رہی تھی۔

''بچے، ماں، باپ کی خوشبو کی پہچان رکھتے ہیں۔'' مجیب ماموں مسکراتے ہوئے اٹھ گئے۔ ان کے سونے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ جلدی سونے کے عادی تھے اور فجر کے بعد سے ان کے دن کا آغاز ہو جاتا تھا۔

''اپنے آنے کا بتا دیتے تو زین کی منگنی ٹھہر کر کر لیتے۔'' زبیدہ بیگم اس سے مخاطب ہوئیں۔

''میں نے تو ڈھکے چھپے الفاظ میں زینب کو روکا تھا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے، مگر آپ دونوں ساس، بہو سنیں تب نا۔'' اس الزام پر زینب نے احتجاجی انداز میں اسے دیکھا۔

''صاف صاف بتاتے۔ آپ کو بھی تو سرپرائز دینے کا شوق ہے۔''

''فلائٹ کنفرم نہیں تھی..... کہہ کر نہ آتا تو رونا دھونا شروع ہو جانا تھا'' شہریار نے شرارت سے لب دانتوں میں دبائے اور زینب کا خفگی بھرا انداز دیکھا۔

''چھوڑیں بھائی۔ جس بے چارے کی منگنی تھی، اسے بھی کسی نے شریک کرنا ضروری نہیں سمجھا۔'' زین نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔ جبکہ چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''جی آپ کی بے چارگی کا ہمیں خاصی حد تک اندازہ ہے۔'' شہریار نے اسے چھیڑا۔

''منگنی وگنی کیا، بس بات طے کرنا تھی۔ ان شاء اللہ اب شادی دھوم دھام سے کریں گے۔'' زبیدہ بیگم مطمئن سی بولیں۔ کچھ دیر آپس میں خوش گپیاں کرنے کے بعد سب ہی آرام کی غرض سے اٹھ گئے۔

وہ بچوں کو سلا کر فارغ ہوئی تھی کہ شہریار فریش ہا شاور لے کر واش روم سے نکلا۔ گیلے بالوں میں برش پھیر کر بستر پر آ گیا۔

''واپسی کب ہے آپ کی؟'' تکیہ درست کرتی زینب نے پوچھا۔

''کیا یار! تم آتے ہی واپسی کا پوچھنے لگتی ہو۔'' وہ بدمزا ہوا۔

''پہلے پوچھتی ہوں، تاکہ آپ ایک دم سے سرپرائز نہ دیں۔''

''واپس جانے کا تو دل ہی نہیں چاہ رہا۔ چھٹی بڑھوالوں گا۔'' اسے سوئی ہوئی مشال کو بھینچ بھینچ کر پیار کرتے دیکھ زینب نے روکا۔

''کیا کر رہے ہیں، جاگ جائے گی۔ اتنی مشکل سے دونوں سوئے ہیں۔''

''اپنی بیٹی کو پیار کر رہا ہوں۔'' اس نے پیار سے مشال کے پھولے ہوئے گال چھوئے۔

''سوئے ہوئے زیادہ پیاری لگ رہی ہے۔ سونے دیں۔'' زینب نے آہستہ آواز میں بولتے ہوئے اس کے بائیں طرف کاٹ میں سوئے حذیفہ پر ایک نظر ڈالی۔

''مشال کی آنکھیں بالکل تمہاری آنکھیں جیسی ہیں۔'' اس نے نرمی سے بیٹی کی پلکوں کو چھوا۔

''بس کر دیں نا۔'' زینب نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے اسے گھورا۔ جو شرارت کے موڈ میں تھا۔ زیرلب مسکراتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ سر کی پشت پر باندھے۔

''کیا یار ابھی تو سمجھ میں آیا تھا کہ جو بچے، ماؤں پر پڑیں وہ اتنے پیارے کیوں لگتے ہیں۔''

''خبردار، جو میرے بچوں میں تفریق کی۔'' زینب نے تپ کر اسے دیکھا جو بڑی دلچسپی سے اس کا تپا تپا انداز دیکھ رہا تھا۔

''ہائے..... تفریق تو کبھی خود میں اور تم میں نہیں کی۔ بچوں میں کیسے کر سکتا ہوں۔'' جذب سے اسے دیکھتا دل فریب انداز میں مسکرایا۔

''چپ کر کے سو جائیں۔ رات کے دو بجے مجھے نہ کچھ سنائی دیتا ہے، نہ دکھائی۔ اپنی فلاسفیز کسی اور وقت کے لیے بچا رکھیں۔'' اپنی مسکراہٹ چھپاتی وہ لیٹ گئی۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود اسے معلوم تھا کہ وہ اسے ہی تک رہا تھا۔

''نیند نہیں آ رہی۔'' ہاتھ سر کے نیچے رکھتا کہنی

www.urdugem.com

کے بل لیتا وہ اس کی جانب مڑا۔
''کوشش کریں۔'' نیند میں ڈوبی آواز میں اس نے مشورہ دیا۔

☆☆☆

کاؤنٹر پر بل ادا کر کے وہ مڑے ہی تھے کہ عمار کو رکتے دیکھ کر زین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نگین یہاں کیا کر رہی ہے۔'' زین نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ جینٹس سیکشن میں شرٹس دیکھتی وہ نگین ہی تھی۔ اس سے پہلے کہ عمار آگے بڑھتا نگین کی نظر اس پر پڑی وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی ان کے پاس آئی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کے سلام کا جواب دیتے ہی عمار نے پوچھا۔

''شاپنگ کر رہی ہوں اور کیا کرتے ہیں شاپنگ مال میں۔'' نگین نے خفگی سے اسے دیکھا۔ بلو رنگ کے ایمبرائیڈڈ سوٹ میں، اسٹیپس میں کٹے کھلے بالوں کے ساتھ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں کاجل بھی لگا رکھا تھا۔ جو عمار کو اس کی خفگی بھری آنکھوں میں اور بھی بھلا لگا۔

''جینٹس شاپنگ...... یار اگلے مہینے کہیں میری برتھ ڈے تو نہیں آ رہی۔'' شرارت سے لب دباتا وہ زین کی طرف مڑا۔ زین کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔

''زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھیا کی برتھ ڈے ہے کل۔ ان ہی کے لیے شاپنگ کر رہی ہوں اور بائے داوے میں آپ کو دیکھ کر نہیں آئی۔ زین بھائی کی وجہ سے اس طرف آ گئی۔'' اسے جواب دے کر وہ زین سے مخاطب ہوئی، چہرے پر نرمی کا تاثر بھی ابھر آیا۔

''کیسے ہیں زین بھائی آپ؟''

''جی الحمدللہ بالکل ٹھیک۔'' مسکراہٹ دباتے ہوئے زین نے جواب دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یقیناً دونوں میں زبردست قسم کی لڑائی چل رہی ہے، کیوں کہ وہ اکثر لڑتے ہوئے ہی پائے جاتے تھے۔

''اکیلی آئی ہو۔'' عمار اس سے بولے بغیر رہ بھی نہیں سکتا تھا اور نہ وہ جواب دیے بغیر رہ سکتی تھی۔

''نہیں فارہ ساتھ ہے۔'' اس نے بتاتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ زین کی نظریں بے اختیار اس طرف اٹھی تھیں۔ جینٹس سیکشن سے نکلتی وہ فارہ ہی تھی۔ ایک ہاتھ میں اس نے شرٹ پکڑ رکھی تھی۔ نگین کے ہاتھ ہلانے پر اس نے انہیں دیکھا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رکی تھی، پر عمار کے بھی ہاتھ ہلانے پر وہ جھجک کر ان کی طرف بڑھی۔ اس کی جھجک زین کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی اور وہ جانتا تھا کہ یہ جھجک اسی کی وجہ سے تھی۔ منگنی کے بعد دونوں کا یہ پہلا آمنا سامنا ہونے والا تھا۔

''بیٹا پبلک پیلیس کا دھیان رکھیے گا۔'' عمار نے اسے کہنی مارتے آہستگی سے باور کرایا، لہجے میں واضح شرارت تھی۔ فارہ کو دیکھ کر زین کے چہرے پر جو روشنی سی پھیلی تھی وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ زین نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا، جبکہ عمار مسکراہٹ چھپاتا فارہ کی جانب مڑا جو قریب آ چکی تھی۔ دونوں کو سلام کرتی، بس ایک نظر ہی تھی جو اس نے زین پر ڈالی تھی، پھر وہ عمار کی طرف متوجہ ہوگئی جو اس کا حال احوال پوچھ رہا تھا۔

''یہ شرٹ بہت اچھی ہے، بس یہ ہی ڈن کرتے ہیں۔'' اس کے ہاتھ سے شرٹ لے کر نگین پوری طرح جائزہ لے چکی تھی۔

''چلو پھر ہم تم دونوں کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔'' عمار نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں، یہ لنچ ٹائم ہے اور ہم لنچ کیے بغیر کہیں نہیں جا رہے۔'' نگین نے اپنے اسٹائل میں گویا اعلان کیا۔

''یہ بھی اچھا آپشن ہے۔'' عمار متفق ہوا۔ زین محض مسکرا دیا۔ اندر سے خوش تو وہ بھی ہوا تھا۔

''آں...... آپ ہمیں گھر ہی ڈراپ کر دیں، امی اور خالہ کھانے پر انتظار کر رہی ہوں گی۔'' عمار

نے لہتی فارہ نے نگین کو ایسے دیکھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہہ رہی ہو۔

''ابھی تو ہم نے طے کیا تھا لنچ کرنے کا اور پلیز مجھے گھر جا کر وہ ٹھنڈے گوشت نہیں کھانا۔'' وہ نگین ہی کیا جو چپ کر جاتی۔ فارہ کی آنکھوں میں چھپی بات سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئی۔ فارہ کو اس پر جی بھر کر تاؤ آ رہا تھا۔ مگر وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ ''اور اب تو زین بھائی بھی ہمارے ڈائریکٹ رشتہ دار ہیں۔ کیوں زین بھائی۔'' نگین کے مخاطب کرنے پر زین مسکرایا، نظریں پیچ و تاب کھاتی فارہ پر تھیں۔

''بالکل بلکہ لنچ میری طرف سے ہوگا۔''

''آپ دونوں بہن، بھائی طے کر چکے ہیں تو چلیں۔'' عمار شرارت سے بولا۔ پھر دس منٹ میں بل ادا کر کے وہ لنچ کرنے کے لیے نگین کے فیورٹ ریسٹورنٹ آ گئے۔ ٹیبل کے گرد وہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ عمار اور نگین جب سے بیٹھے تھے مسلسل بولے جا رہے تھے۔ زیادہ تر آرڈر بھی دونوں نے مل کر نوٹ کروایا تھا۔ اس دوران فارہ ریسٹورنٹ کا انٹیریر ہی دیکھتی رہی تھی۔ جبکہ سامنے بیٹھے زین کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ پیچ کلر کے ایمبرائیڈڈ سوٹ میں ملبوس، اپنے مخصوص اسٹائل میں دوپٹا سر پر اوڑھے بغیر کسی میک اپ کے وہ ہمیشہ کی طرح اسے پیاری ہی لگی تھی۔ دائیں کلائی پر اس نے خوب صورت سی گھڑی باندھی ہوئی تھی۔ ساتھ میں نازک سا بریسلٹ پہن رکھا تھا۔

''اب ذرا روبی آنٹی والا معاملہ کلیئر کریں۔'' دونوں کلائیاں ٹیبل پر رکھتی نگین پوری طرح عمار کی طرف متوجہ ہوئی۔ انداز ایسا تھا جیسے نیا کھاتہ کھولنے کو تیار ہو۔

''تم ابھی تک وہیں اڑی ہوئی ہو۔ خیال کر لو، کچھ ان دونوں کا نہیں تو میرا ہی کرو۔ تمہارا منگیتر ہونے کے ساتھ تم سے چار سال بڑا بھی ہوں۔'' عمار نے اسے شرم دلانا چاہی۔

''کر تو رہی ہو عزت۔ اتنا آپ جناب کرتی ہوں، اسی سے گزارا کریں۔'' نگین کی بات پر فارہ اور زین کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''روبی آنٹی کیوں کہہ رہی تھیں کہ آپ کسی اور میں انٹرسٹڈ تھے۔'' نگین نے جرح شروع کی۔

''بندہ اتنا ہینڈسم ہو تو ایسی افواہیں اڑتی رہتی ہیں۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔'' عمار نے مزے سے کہتے ہوئے زین کو تائید طلب نظروں سے دیکھا جو ان کی نوک جھوک کو انجوائے کر رہا تھا۔

''کچھ نہ کچھ سچائی تو ہوگی، ورنہ وہ ایسی بات کیوں کرتیں اور پھر وہ آپ کی چچی ہیں، جانتی تو ہوں گی آپ کو۔'' نگین اپنی بات پر قائم تھی۔ جانچتی نظریں عمار کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

''تم ان کی بات نہیں سمجھیں، کہنا تو وہ یہ چاہ رہی تھیں کہ میں ان کی بیٹی میں انٹرسٹڈ تھا، کیوں کہ یہ ان کی دلی خواہش تھی۔'' غیر سنجیدگی سے بولتے اس نے سامنے بیٹھی مشکوک نظروں سے دیکھتی نگین کو دیکھا۔

''تم بھی تو میری کزن ہو۔ تم کتنا جانتی ہو مجھے۔''

''اب یہ ہی لگتا ہے کہ نہیں جانتی۔'' نگین خراب موڈ کے ساتھ بولی۔ خفگی کا تاثر صاف چہرے پر نظر آ رہا تھا۔

''عمار بھائی آپ اس معاملے کو سنجیدہ نہیں لیں گے تو یہ غلط فہمیاں ہمیشہ آپ دونوں کے بیچ رہیں گی۔'' عمار کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فارہ سنجیدہ سے بولی تھی۔

''یہ اعتبار بھی تو کرے۔''

''آپ اعتبار دلائیں تو اور یہ رشتہ تو اعتبار کے بغیر بے معنی ہے۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں جس پر آپ اعتبار نہ کر سکیں، اس سے ایسا نازک رشتہ بنانا ہی نہیں چاہیے۔'' سنجیدگی سے بولتے ہوئے اس کے چہرے پر معصومیت اور لہجے میں مضبوطی تھی۔

''اور اگر کوئی تیسرا اس رشتے کے بیچ آنے کی

www.urdugem.com

"کوشش کرے تو......" زین کے سوالیہ انداز میں کہنے پر فارہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی، جو منتظر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔ جانے کیوں اس کی آنکھیں بولتی ہوئی سی محسوس ہوئی تھیں۔ پلکیں جھکاتے اس نے جواب دیا تھا۔

"اعتبار کا رشتہ مضبوط ہو تو کسی تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔" بڑی خوب صورت مسکراہٹ زین کے لبوں پر پھیلی تھی۔ اس کے خیالات سن کر وہ اور بھی دل سے قریب محسوس ہوئی۔

"دیکھا، غلطی آپ کی ہی ہے۔ الٹا آپ میرا فون بھی نہیں اٹھا رہے تھے۔" فارہ کے خاموش ہوتے ہی نگین کو بولنے کا موقع مل گیا تھا۔

"بزی تھا یار اس وقت۔ اب دفتر میں بیٹھ کر میں اپنے گھریلو مسئلے حل کرنے سے رہا۔" عمار نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"دوسرے بندے کو بھی بتا دیتے ہیں کہ وجہ کیا ہے۔ آپ تو میرے میسجز کا جواب اتنا لیٹ دیتے ہیں کہ میں خود بھول جاتی ہوں کہ میسج کب کیا تھا۔ آپ بتائیں زین بھائی، آپ بھی فارہ کے ساتھ یہ سب کرتے ہیں۔" مسلسل بولتے ہوئے وہ ایک دم سے زین کی طرف مڑی۔ زین کو ایسے سوال کی توقع نہیں تھی۔ اس کی نگاہیں فارہ پر اٹھی تھیں، جس نے اسی وقت اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پھر وہ نظریں جھکا گئی۔

"آں...... نہیں...... ہمارے پاس ایک دوسرے کا نمبر نہیں ہے۔ اس لیے کبھی ایسی نوبت نہیں آئی۔" جواب تو دینا تھا سو سنجیدگی سے کہہ گیا۔ نگین کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

"آپ کے پاس نمبر نہیں ہے۔ کون سی دنیا کے ہیں آپ لوگ۔" حیرت سی حیرت تھی۔

"یہ پچھلی صدی کے معصوم اور سادہ لوگ ہیں۔ تم غم نہ کرو۔" عمار نے ہنستے ہوئے زین کو دیکھا۔ جو زیر لب مسکرائے جا رہا تھا، کن انکھیوں سے کنفیوز سی فارہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔

"موبائل نکالیں اور نمبر لکھیں۔" نگین کی اگلی فرمائش پر زین سیدھا ہوا۔

"کس کا۔" فارہ نے بھی سٹپٹا کر ساتھ بیٹھی نگین کو دیکھا۔

"بھئی اپنی منگیتر کا۔ کبھی بھی کوئی ضروری بات کرنی پڑ سکتی ہے۔"

"ہاں فائر بریگیڈ کو بھی بلانا ہو تو پہلے زین کو کال کر لینا، یہ اس سے بھی پہلے اڑتا ہوا پہنچے گا۔" ہنسی دباتے عمار نے شریر لہجے میں فارہ سے کہا۔ پھر لا کھ فارہ نے اسے گھورا، اپنا پاؤں اس کے پاؤں پر مارا، مگر اس نے زین کو نمبر نوٹ کروا کر ہی دم لیا۔ بلکہ اسی وقت مس کال بھی دلوائی۔ پھر خود کو گھورتی فارہ کو دیکھا۔

"تم کیا مجھے دیکھے جا رہی ہو۔ نمبر سیو کرو۔ یہ نہ ہو زین بھائی کال کریں اور تم، بھائی صاحب رانگ نمبر ہے کہہ کر بند کر دو۔" فارہ نے دل میں اسے خوب سناتے ہوئے ہینڈ بیگ سے موبائل نکالا۔

"آج مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ خاصی سمجھ دار ہیں۔" شرارت سے لب دانتوں میں دباتا زین اس صورت حال سے خاصا محظوظ لگ رہا تھا۔ پھر چاروں کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جو ویٹر سرو کر رہا تھا۔

☆☆☆

"فارہ اپنے آپ کو تھوڑا بدلو۔"

"کیا مطلب؟" فارہ نے اچنبھے سے سبزیاں کاٹتی زینب کو دیکھا جو سالن بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ آج اتوار تھا اور ابو اسے صبح ہی زینب کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ گھر کے باقی افراد زبیدہ بیگم کے دور کے رشتہ دار کی فوتگی میں گئے ہوئے تھے۔ اسی لیے زینب نے فارہ کو بلا لیا تھا۔

"ذرا حلیہ دیکھو اپنا۔" زینب نے چولہے کی آنچ آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ فارہ نے حیرت سے ایک نظر اپنے لباس پر ڈالی۔ سیب کی کاشیں کاٹنے کے بعد اب وہ کچن کاؤنٹر سے ٹیک لگائے اطمینان سے سب کھانے میں مصروف تھی۔

"کیوں، کیا ہوا ہے میرے حلیے کو۔ ٹھیک تو ہے۔"

"بالکل سادہ سی رہتی ہو ہر وقت۔ اب نگین کو ہی دیکھ لو، ہر وقت ٹپ ٹاپ رہتی ہے۔"

"میں کسی کو کیوں دیکھوں اور پھر نگین کو بچپن سے تیار شیار رہنے کا شوق ہے۔ میری اور اس کی نیچر میں بہت فرق ہے۔" فارہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں خود کو بدلو۔ میں یہ نہیں کہتی کہ بالکل نگین کو فالو کرنا شروع کر دو۔ مگر کبھی کبھی ہلکا پھلکا تیار ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایگزامز کے بعد تمہاری شادی ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ہی تھوڑی عادت ڈالو۔ زین کو اچھا لگے گا۔ اگر تم بھی دوسری لڑکیوں کی طرح خود کو ٹپ ٹاپ رکھو گی۔" زینب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"سادگی کوئی بری چیز نہیں ہے اور پھر جب وقت آئے گا تو دیکھ لیں گے۔ ابھی مجھے پڑھائی پر فوکس کرنے دیں۔ میرے لیے پڑھائی ہی اس وقت سب سے اہم ہے اور اگر آپ کے دیور کو دوسری لڑکیاں اتنی پسند ہیں تو ان سے شادی کرا دیں۔" آخر میں مزے سے مشورہ دیتی وہ پلیٹ خالی کر چکی تھی۔ زینب نے اسے ملامتی نظروں سے گھورا۔

"شرم کر لو۔ میرے اتنے شریف دیور کے بارے میں ایسے کہہ رہی ہو۔"

"میں تو بس آپ کی بات کا جواب دے رہی ہوں اور مجھے یقین ہے آپی! امی نے آپ سے یہ سب کہا ہوگا۔ انہیں کہیں مجھے ابھی سے اتنا نہ ڈرائیں کہ میں شادی کے نام سے ہی بھاگنے لگوں۔" پریقین سے انداز میں بولتی وہ زینب کو ہی دیکھ رہی تھی، جس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں امی سے کہہ دوں گی کہ فارہ سے کچھ نہ کہیں، بس ایگزامز کی تیاری کرنے دیں۔ تم ٹینشن نہ لو۔" اس کے تسلی دینے پر وہ بھی مطمئن ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کوئی سویٹ ڈش بنا دے کہ کسی کے کھنکارنے پر بری طرح چونکی۔ زینب بھی چونک کر متوجہ ہوئی۔ سامنے کھڑے زین کو دیکھ کر وہ جھٹ سے سیدھی ہوئی۔ چہرے پر خجالت کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے کچھ سن ہی نہ لیا ہو۔ اس کا کمرہ بھی تو ساتھ ہی تھا۔ پہلی سوچ فارہ کو یہی آئی۔

"ارے زین تم گئے نہیں۔" زینب نے حیرت سے نکھرے نکھرے زین کو دیکھا، جو نیلی جینز پر نیلی ٹی شرٹ پہنے تازہ دم سا لگ رہا تھا۔ بالوں کی نمی اس کے نہا کر تیار ہونے کی چغلی کھا رہی تھی۔ چہرے پر شیو کیے جانے کے بعد کی فریشنیس (تازگی) سی تھی۔

"صبح کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ٹیبلٹ لے کر سو گیا۔"

"اچھا، ہاں شہریار کی کال آ رہی تھی۔ شاید تمہارا ہی بتانا چاہ رہے تھے، پر میں اٹھا نہیں سکی۔ خیر تم کہیں جا رہے ہو؟" زینب نے اس کی تیاری سے اندازہ لگایا۔

"جی...... عمار کا فون آیا تھا۔ اس نے کوئی پروگرام بنایا ہے۔ پہلے اگر ناشتا مل جائے تو بہت اچھا ہوگا۔" خوش دلی سے بولتے اس نے زینب کے دائیں طرف کھڑی فارہ کو دیکھا جو اسی کا جائزہ لے رہی تھی۔ نظریں ملنے پر پلکیں جھکا گئی۔

"میں ناشتا بناتی ہوں۔" زینب نے چھری رکھ کر سنک کا نل کھول کر ہاتھ دھوئے۔ اسی وقت کمرے سے آتی رونے کی آواز سن کر وہ فارہ کی طرف مڑی۔

"فارہ! تم زین کا ناشتا بنا دو۔ میں مشال کو دودھ پلا کر سلاتی ہوں۔" جلدی سے اسے ہدایت دیتی وہ کمرے کی طرف بھاگی۔ زین کاؤنٹر کے دوسری طرف رکھے اسٹول پر بیٹھا گلاس سے منہ لگائے پانی پی رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی فریج سے بوتل نکال کر اس نے گلاس بھرا تھا۔ گلاس خالی کرتا وہ ہموار

www.urdugem.com

قدموں سے چلتا کاؤنٹر کے دوسری طرف آیا، جہاں فارہ کھڑی تھی۔ اس کے قریب رکھتے ہوئے وہ کھنکارا۔ اپنا اعتماد بحال کرتی وہ اس کی جانب مڑی۔ ساتھ ہی وہ آملیٹ بنانے کے لیے انڈہ پھینٹ رہی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"یہ تو آپ بتایے انفیکیٹ آپ کو کیسا لگتا ہوں؟" زین نے اس کی جھکتی سیاہ گھنی پلکوں کو دیکھا، جن کی لرزش اس کے نروس ہونے کا پتا دے رہی تھی۔

"فریش لگ رہے ہیں۔ اب آپ جائیں، میں آپ کا ناشتا بنا رہی ہوں۔" فارہ نے اسے کچن سے نکالنے کے لیے کہا، ساتھ میں ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

"ہوں...... وہ تو میں دیکھ رہا ہوں، میری پسند کا کچھ کچھ اندازہ ہوتا جا رہا ہے۔" زین نے اپنے سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے دلچسپی سے اس کے لبوں پر پھیلی دھیمی مسکان کو دیکھا۔ اشارہ اپنے فیورٹ آملیٹ کی طرف تھا جو وہ بنا رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی ہلکی پھلکی بات چیت سے کم از کم وہ ایک دوسرے کی پسند ناپسند کو جاننے لگے تھے۔

"چلیں آپ بنائیں ناشتا، مزید آپ کو ڈسٹرب نہیں کرتے، بلکہ لاؤنج میں بیٹھ کر اس مزے دار ناشتے کا انتظار کرتے ہیں۔" زین کے کہنے پر وہ مسکرا کر سر ہلاتی چائے کے لیے پانی رکھنے لگی۔

"فارہ......" نرمی سے اسے پکارتا وہ مڑتے مڑتے رکا۔ نگاہیں بے اختیار اس کی جانب اٹھیں۔ انداز سوالیہ تھا۔ اس کی طرف دیکھنا اسے مشکل لگا، مگر کچھ تھا اس کی لو دیتی آنکھوں میں کہ وہ دیکھے گئی۔ چہرے پر دلفریب مسکراہٹ سجا کر وہ دو قدم آگے بڑھا۔ دراز قد ہونے کی وجہ سے تھوڑا سا اس کی جانب جھکا۔ "بھابھی سے کہیے گا۔ فارہ، زین کو ہر روپ میں اچھی لگتی ہے۔" اس کا چہرا تیزی سے سرخ ہوا تھا۔ جس پر سے نگاہ ہٹاتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کچن سے نکل گیا۔ وہ چلا گیا تھا۔ مگر اپنی محبت کی خوشبو چھوڑ گیا تھا، جس کو فارہ نے اپنے اندر تک پھیلتے محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

"واپسی کے لیے کب کا ٹکٹ کروایا ہے۔ اب بتا بھی دیں۔ پہلے بھی آپ سے کہا تھا، سرپرائز نہ دیا کریں۔" جوس کا سپ لیتے ہوئے زینب نے خفگی سے اسے گھورا، جو پرسوں ٹکٹ لے چکا تھا، مگر پوچھنے پر ٹال جاتا۔

"سن کر تم کون سا خوش ہوگی۔" شرارت سے بولتا وہ پلے ایریا کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں حذیفہ کھیل رہا تھا۔

"سرپرائز ملنے سے بہتر ہے پہلے ہی معلوم ہو۔" زینب نے اسٹرا گود میں بیٹھی مشال کے منہ میں ڈالی جو کافی دیر سے جوس کی طرف ہاتھ کیے آوازیں نکال رہی تھی۔

"بھئی سرپرائز کا تو اپنا مزا ہے۔" شہریار نے مسکراتے ہوئے دلچسپی سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا۔

"سرپرائزز دینے کا بہت شوق ہے اسے۔"

دونوں چونک کر اس آواز کی جانب مڑے۔

"آج میں نے تمہیں سرپرائزڈ کر دیا نا۔" جھٹکے سے کھڑے ہوتے شہریار کو دیکھ کر وہ مسکرائی۔ زینب نے حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا۔ بلیو کلر کی جینز کے اوپر اس نے وائٹ ٹاپ پہن رکھی تھی۔ سنہری تراشیدہ بال کندھوں سے ذرا نیچے تک آتے تھے۔ رنگت بے حد گوری تھی اور چہرے کے نقوش میں گھلا مغربی اور مشرقی امتزاج بہت خوب صورت تھا۔ بلاشبہ وہ بے پناہ حسین تھی۔ پھر وہ خود کو دیکھتی زینب کی طرف مڑی۔

"تم زینب ہو، رائٹ۔" وہ جیسے کنفرم کر رہی تھی۔ شہریار کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ زینب نے اثبات میں سر ہلایا اور شہریار کو دیکھا کہ وہ اس کا تعارف کروائے۔ مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

"آپ شہریار کی کولیگ ہیں؟" زینب کو خود ہی پوچھنا پڑا۔

"ہاں، یہ میری کولیگ ہے۔" شہریار کا سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔

"بس کولیگ......" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ برٹش لہجے میں اردو بولتی وہ اسے آدھی انگریز ہی لگی تھی۔ مگر اس کی اردو صاف تھی۔

"شالین تم...... تم ابھی جاؤ، ہم پھر بات کریں گے۔" شہریار نے جلدی سے کہا۔

"نہیں، آپ ہمارے ساتھ بیٹھیں، لنچ کریں۔" زینب کو شہریار کی بے مروتی اچھی نہ لگی، تو اسے آفر کرنی پڑی۔

"لنچ تو اب شہریار بھی نہیں کر پائے گا۔ پر میں اپنا مکمل تعارف کروا کر ہی جاؤں گی۔" کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ رکھتی وہ بولی۔

"شالین پلیز۔" شہریار کی آنکھوں میں التجا تھی، جسے اگنور کرتی وہ زینب کو دیکھنے لگی۔ جو کنفیوز سی لڑکی دونوں کے عجیب رویے دیکھ رہی تھی۔

"میں مسز شہریار احمد ہوں۔" انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتی وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ زینب کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ یہ مذاق کیوں کر رہی ہے۔ امید سے شہریار کو دیکھا کہ وہ کچھ بولے، مگر وہ خاموش سا شالین کو دیکھ رہا تھا۔

"اب نمبر تو شہریار ہی بتا سکتا ہے، مگر میری معلومات کے مطابق میں شہریار کی پہلی بیوی ہوں۔" چبھتی ہوئی نظروں سے زینب کو دیکھتی وہ سرد لہجے میں بولی۔ زینب کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ اس کی گود سے اترنے کے لیے مشال نے ہاتھ پاؤں مارے۔ اس نے جھک کر اسے اترنے دیا۔

"آپ...... مذاق کر رہی ہیں۔ شہریار یہ......" وہ اس کی طرف مڑی۔ اسے نظریں چراتے دیکھ کر اسے اپنے پیروں تلے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔

"مذاق تو ہم دونوں کے ساتھ ہوا ہے، بلکہ دھوکا کہنا چاہیے۔" وہ پھر اور بھی کہہ رہی تھی، مگر زینب کے دماغ میں گویا دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے لگا کسی نے اسے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا ہو۔ کیوں اس کے محبوب شوہر نے نظریں چرالیں تھیں۔ کیوں وہ اس لڑکی کو چپ نہیں کروا رہا تھا۔ اس کے اندر اتنا شور تھا کہ اسے لگا اس کی سماعت چھن جائے گی۔ وہ بہری ہو جائے گی۔ وہ وہاں سے سرپٹ بھاگی تھی، کون سا پیر کہاں پڑ رہا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس کے بچے وہیں رہ گئے تھے۔ چہرا آنسوؤں سے تر ہوتا جا رہا تھا اور کانوں میں ایک ہی جملے کی بازگشت ہو رہی تھی۔

"میں مسز شہریار احمد ہوں۔ شہریار کی پہلی بیوی۔" وہ اسے آواز دے کر بھی نہیں روک پایا تھا، نہ ہی وہ بچوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے جا سکتا تھا۔

"تمہارا کام ہو گیا شالین۔ مگر میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" پریشانی سے پیشانی مسلتا وہ بار بار پیچھے دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گئی تھی۔

"بات تو تمہیں کرنی ہوگی۔ دھوکا دیا ہے تم نے مجھے۔"

"ایک دھوکے باز انسان کہہ بھی کیا سکتا ہے۔" اس سے نظریں چراتے، ٹیبل پر ہاتھ مارتی مشال کو اٹھایا۔ ابھی اسے حذیفہ کو بھی لے کر گھر جانا تھا۔ گھر...... ہاں وہ گھر جو اس نے دھوکے سے بنایا تھا۔

☆☆☆

"بھابھی مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ کچھ ہوا ہے آپ لوگوں کے درمیان۔" اس کے گھر پہنچتے ہی زین نے پہلا سوال یہ ہی کیا۔ کیوں کہ جس حالت میں وہ اسے روڈ پر ملی تھی، وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پھر سارے راستے وہ گم صم سی بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی جو اس کے چہرے کو بھگوئے جا رہی تھی۔ زین نے اس سے شہریار اور

www.urdugem.com

بچوں کا پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہیں، وہ تو ان کے ساتھ گئی تھی، پھر اکیلی کیوں ہے۔ پر وہ چہرا موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ نہ ہی شہریار اس کا فون پک کررہا تھا۔ سخت ٹینشن میں وہ گھر پہنچا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے پھر شہریار کو فون کیا اور زینب کے گھر پہنچنے کا سن کر اس نے ''میں آرہا ہوں'' کہہ کر فون بند کردیا تھا۔ گھر پر کوئی نہیں تھا۔ زبیدہ بیگم اور مجیب ماموں ٹل پر گئے ہوئے تھے۔

''وہ کہاں ہے۔'' پیشانی مسلتا وہ متفکر سا تھا۔

''اپنے کمرے میں ہیں۔''

''تم بچوں کو اپنے کمرے میں لے جاؤ، میں دیکھتا ہوں۔'' شہریار نے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مما کہاں ہیں؟'' حذیفہ نے باپ اور چاچو کو دیکھا۔

''مما آرام کررہی ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہے نا۔ آپ چاچو کے ساتھ جاؤ۔'' شہریار نے اسے پیار سے سمجھایا اور مشال کو زین کی گود میں دے دیا۔ وہ آدھی نیند میں تھی۔

''بھائی ہوا کیا ہے؟'' زین نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ آخر ایسا کیا ہوا تھا ان کے درمیان، ورنہ ان کے درمیان تو ہمیشہ محبت ہی نظر آتی تھی، پھر اب کیا ہوگیا تھا۔

''سب غلط ہوگیا اور اب ایسا لگتا ہے کہ سب کے پاس سوال بہت ہوں گے، پر میرے پاس شاید دینے کے لیے کوئی جواب، کوئی توجیح نہ ہو۔'' نظریں چراتا وہ اسے حیران چھوڑ کر کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ لاک نہیں ہے۔ اپنے اندر ہمت مجتمع کرتا وہ اندر داخل ہوا، سامنے ہی وہ اپنا سامان پیک کرتی نظر آگئی۔ وہ پریشان سا اس کی طرف بڑھا۔

''تم کہاں جارہی ہو؟'' اس کی طرف سے جواب نہ پا کر اس کو کلائی سے پکڑ کر موڑنا چاہا، مگر وہ اس کا ہاتھ بے دردی سے جھٹکتی غضب ناک انداز میں اس کی جانب مڑی، چہرا شدت گریہ سے سرخ تھا۔

''مجھے ہاتھ مت لگانا۔'' سختی سے اسے وارن کرتی وہ اسے کوئی اور ہی زینب لگی، جس کے لہجے میں تلخی اور آنکھوں میں نفرت تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ مگر اسے بولنا تھا، اسے روکنے کے لیے۔

''زینب تم مجھ سے پوچھو۔ سوال کرو، مگر اس طرح سے مت جاؤ۔'' اس نے التجا کی۔

''سوال..... ہاں میں یہ حق رکھتی ہوں شہریار احمد کہ تمہارا گریبان پکڑ کر تم سے سوال کروں، پوچھوں تم سے، کیوں دیا مجھے دھوکا، کیوں میری زندگی برباد کی۔ جب تمہاری زندگی میں کوئی اور لڑکی تھی، تو مجھے لگتا ہے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ جب میں تمہیں امید سے دیکھتی رہی کہ تم کچھ بولو گے۔ تب چوروں کی طرح نظریں چراتے رہے۔ اب سب صاف ہوگیا ہے۔ مجھے تمہاری کسی صفائی کی ضرورت نہیں ہے۔'' سلگتے لہجے میں بولتی وہ اسے چبھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ گھنٹوں میں جیسے سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ اس کے لیے آپ سے تم ہوگیا تھا۔ تو کیا دل میں بھی اس کی جگہ نہ رہی تھی؟ اپنے اندر اٹھتے سوالوں کو دباتا وہ بولا۔

''ایسے مت کہو زینب۔ میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔ شالین سے شادی میری مجبوری تھی میں.....'' چہرے پر پھیلتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے، اس نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔

''اس سے جا کر کہو گے مجھ سے شادی تمہاری مجبوری تھی۔ کتنے دو غلے ہوتے ہو نا تم مرد اور مجبوری سے شادی تو یقیناً تمہاری مجبوری رہی ہوگی۔ کچھ غلط نہیں کہو گے تم۔ اسے بتانا کہ اماں نے زبردستی کردی۔ یونو پاکستانی مائیں۔ ان کی بلیک میلنگ۔ اچھا بہانا رہے گا۔'' استہزائیہ انداز میں بولتی وہ بیگ کی زپ بند کررہی تھی۔ جس میں اس نے اپنا اور بچوں کا ضروری سامان رکھا تھا، ورنہ اس گھر سے اس کا تنکا بھی اٹھانے کا دل نہیں کررہا تھا۔

''نہیں زینب، تم سے شادی میں نے اپنی خوشی سے کی تھی۔ پہلے میں انکار کرنا چاہتا تھا۔ مگر جب تمہیں دیکھا تو مجھے لگا میری زندگی میں صرف تمہاری کمی ہے۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو زینب۔ میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔'' مضبوط لہجے میں بولتا وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی سے نہال ہوجاتی، مگر اس وقت وہ اس کی دلیل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے خاموشی سے بیگ نیچے رکھ کر ہینڈل سے پکڑ کر گھسیٹا۔

''پلیز مت جاؤ۔'' شہریار نے بیگ پکڑ کر

''میں اسے چھوڑ دوں گا۔ تمہارے لیے میں اسے چھوڑ سکتا ہوں۔ میرے لیے صرف تم اہم ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کتنا آسان ہے تمہارے لیے چھوڑ دینا۔ پھر ایسا کرو مجھے چھوڑ دو۔'' اس نے گویا دھماکا کیا تھا۔ شہریار اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا تھا۔ اس پر سخت نگاہ ڈالتی وہ بیگ گھسیٹتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

''بیٹھ جاؤ۔ تمہارے یوں اسٹریس لینے سے کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔'' آدھے گھنٹے سے وہ یوں ہی کمرے میں چکر لگائے جارہی تھی۔ چہرے کے حسین نقوش میں تناؤ جھلک رہا تھا۔

''کیسے نہ لوں اسٹریس، وہ مجھے..... شالین حیدر کو چھوڑ کر اس لڑکی کے پاس چلا گیا۔'' انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرتی وہ اپنی دوست سے مخاطب تھی۔

''اس کی فیملی ہے، بچے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے اس کے پیچھے گیا ہوگا اور پھر تمہیں کتنا منع کیا تھا۔ اس سے شادی کا فیصلہ بھی تمہارا تھا۔ ابھی فیملی اسٹارٹ نہ کرنے کی مرضی بھی تمہاری تھی۔ کتنا سمجھایا تھا کہ ایک ایمپلائی کو ایمپلائی ہی رہنے دو، رشتہ مت جوڑو اس سے۔''

''ممی کی ٹون میں بات مت کرو، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ ممی میری شادی کے اتنا خلاف کیوں تھیں۔ آج بھی وہ اسے ریسپکٹ نہیں دیتیں۔ جبکہ خود انہوں نے پاکستانی مرد سے شادی کی تھی اور یہاں تک کہ ڈیڈ کی محبت میں مذہب تک چھوڑ دیا۔'' اس کے لہجے میں شکایت تھی جو اسے ممی سے شہریار کے ساتھ رویے پر تھی۔ شاز مین اس کی بہترین دوست تھی۔ اس کے ڈیڈ کے بچپن کے دوست کی بیٹی۔ دونوں اکلوتی تھیں اور ایک دوسرے سے ہمیشہ سے قریب رہی تھیں۔ اسی لیے دل کی ہر بات کہہ دیا کرتیں۔

''آنٹی غلط نہیں شالین۔ تم اپنے اور اس کے ریلیشن شپ کو بھی تو دیکھو۔ وہ انکل کے آفس میں لوئر ایمپلائی تھا، تم نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اتنی مراعات کا شاید اس نے خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ وہاں تک بھی ٹھیک ہے۔ پر جیسی اہمیت تم اسے دیتی ہو۔ جیسی محبت کرتی ہو۔ سوری، بٹ وہ نہیں کرتا۔ مجھے تو کبھی نہیں لگا کہ اسے بھی تمہاری محبت کی پروا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ٹائم اسپینڈ کررہا تھا تو کتنی خوش تھی اس کے چہرے پہ اس وقت۔'' شاز مین کو اس کا چمکتا چہرا یاد آیا جب وہ اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

''ہم بھی اکٹھے ٹائم اسپینڈ کرتے ہیں اور وہ میرے ساتھ خوش بھی ہوتا ہے اور انجوائے بھی کرتا ہے۔ شالین حیدر کے ہوتے ہوئے وہ کسی اور کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ اسے میرے پاس لوٹ کر آنا ہی ہوگا اور وہ آئے گا۔'' مضبوط لہجے میں بولتی وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آنٹی کی کال آرہی تھی۔'' شاز مین نے بات بدلی۔

''ممی کو مت بتانا ہم کہاں ہیں۔ وہ یہ ہی سمجھ رہی ہیں کہ ہم لیزا اور مائک سے ملنے پیرس گئے ہیں۔ ڈیڈ کو معلوم ہے، میں انہیں کال کرلوں گی۔'' شاز مین نے سر ہلا دیا۔

www.urdugem.com

☆☆☆

زینب کا گھر چھوڑ کر آنا اور شہریار کا پہلے سے شادی شدہ ہونا، اس کے گھر والوں کے لیے ایک دھچکا تھا۔ اتنے سالوں میں کسی کو بھی یہ شک نہیں گزرا تھا کہ شہریار پہلے سے شادی شدہ بھی ہوسکتا ہے۔ فردوس بیگم اور شاہ نواز صاحب کے سر پر تو گویا آسمان ہی ٹوٹ پڑا تھا۔ بھلا کب سوچا تھا۔ اپنے گھر میں خوش باش، آباد، بیاہی بیٹی یوں گھر چھوڑا کر آجائے گی۔ بھائیوں تک یہ بات ابھی نہیں پہنچی تھی، چونکہ ایک دوسرے شہر میں رہتا تھا تو دوسرا ملک سے باہر تھا۔ اسے گھر چھوڑ کر آئے دوسرا دن تھا جب شاہ نواز صاحب نے زبیدہ بیگم اور شہریار کو گھر بلایا۔ زینب نے ان کے آنے کا سن کر ملنے سے صاف انکار کردیا۔ جس پر دونوں میاں، بیوی کچھ نہ بولے تھے۔ ان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ فردوس بیگم لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا۔ کچن سے نکلتی فارہ بھی خاموشی سے آکر قریبی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بات ہوئی ہے ہماری۔ زبیدہ بیگم کو تو خیر ہم کیا کہتے، وہ خود لاعلم تھیں۔ شرمندہ تھیں، بے چاری ماں جو ٹھہریں۔ پر شہریار بھی شرمندہ تھا، بلکہ اس لڑکی کو چھوڑنے پر بھی تیار ہے۔'' ان کے خاموش ہوتے ہی وہ بولی تھی۔

''مجھے کوئی سروکار نہیں، وہ اسے چھوڑے یا رکھے۔ ایک بات طے ہے کہ مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔''

''کیوں نہیں رہنا اس کے ساتھ، معافی مانگ تو رہا ہے۔ اس لڑکی کو بھی چھوڑ دے گا۔ مرد ہے، ہوگئی غلطی۔ آ گیا بے چارہ لالچ میں۔ پاس کی بیٹی پیچھے پڑ گئی تھی اور اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ ایسے میں اگر مجبوراً شادی کرلی تو اب شرمندہ بھی تو ہے۔'' انہوں نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''تو آپ کیا چاہتی ہیں اس خود غرض اور لالچی انسان کے ساتھ چلی جاؤں۔ جس کو احساس تک نہیں کہ اس نے کسی کی زندگی برباد کردی۔ ایسا نہیں کرسکتی۔ میرے دل میں اب اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' زینب کے بے لچک انداز پر انہیں تاؤ آیا۔

''تو گنجائش پیدا کرو اپنے دل میں۔ بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہیں اور پھر یوں گھر نہیں بسا کرتے دل مارنا پڑتا ہے۔ اپنی انا کو کچلنا پڑتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو اپنے بچوں کا سوچو۔ باپ ہے وہ ان کا۔ اور پھر فارہ کا سوچو، اس کا بھی رشتہ جڑا ہے اس گھر سے۔'' فردوس بیگم کی آخری بات پر فارہ بے اختیار بول پڑی۔

''امی پلیز، مجھے درمیان میں مت گھسیٹیں۔ آپی کو اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے دیں۔''

''میں فیصلہ کرچکی ہوں۔ آپ ابو کو بتا دیں، مجھے شہریار سے طلاق چاہیے۔'' اٹل لہجے میں بولتی وہ ان کے سر پر بم پھوڑتی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ جبکہ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ اسے سمجھانا عبث تھا۔

☆☆☆

''فارہ تم مجھ سے نارمل بات کیوں نہیں کررہیں۔'' فون پر بھی وہ دوسری طرف موجود فارہ کے لہجے میں در آنے والے بدلاؤ کو محسوس کررہا تھا۔

''اب کچھ بھی نارمل نہیں ہے اور شاید ہو بھی نہیں سکتا۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''ایسے مت کہو فارہ۔ تم بھابھی کی وجہ سے اپ سیٹ ہو۔ ہم بھی ابھی تک شاک میں ہیں، مگر یقین کرو اس معاملے میں ہم بھی اتنے ہی بے خبر تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ابھی بھی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ عجیب سی خاموشی نے ان کے گھر کی فضاؤں میں بسیرا کرلیا تھا۔ وہ سب اس رشتے کے انجام کا سوچ کر پریشان تھے اور زینب کا مطالبہ بھی ان تک پہنچ چکا تھا۔

''میں کیسے مان لوں کہ چھ سال سے وہ شادی کیے بیٹھے ہیں اور آپ کو خبر تک نہیں۔ آپ کی تو بڑی دوستی ہے اپنے بھائی سے۔'' اس نے چبھتے ہوئے

لہجے میں کہا۔ ایک ہاتھ سے وہ اپنے دکھتے ہوئے سر کو مسل رہی تھی۔ جبل بڑے بھائی آرہے تھے۔ ابو نے ان کو بلایا تھا اور بسمہ بھابھی کے آنے کا سوچ کر ہی ٹینشن ہورہی تھی۔

''ہاں، دوستی ہے، مگر مجھے اس بات کا واقعی علم نہیں تھا۔''

''ایک منٹ۔ آپ تو انگلینڈ بھی گئے تھے۔ اپنے بھائی سے ملنے۔ پھر کیسے آپ پہلو تہی کرسکتے ہیں کہ آپ یہ پہلے سے نہیں جانتے۔'' فارہ کو بروقت یاد آیا، ایک بار زینب نے بتایا تھا کہ زین اپنی ویکیشنز میں امریکہ سے انگلینڈ گیا تھا۔ شہریار سے ملنے۔

''میں گیا تھا پر ہم دوست اکٹھے گئے تھے میں ان ہی کے ساتھ رہا تھا اور بھائی سے ہم شام کو باہر ہی کسی اسپاٹ پر ملتے تھے۔ ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ مگر ان کی شادی تو میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھی نہ ہی میں وہاں ان کی جاسوسی کرنے گیا تھا۔'' زین نے اس کا شک دور کرنا چاہا، مگر ایک خطرے کی گھنٹی اس کے اندر بجنا شروع ہوگئی تھی۔

''مجھے اس بات پر یقین نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس سے ہوکر آگئے اور ان کی شادی آپ سے چھپی رہی۔ یا تو آپ غلط بیانی کررہے ہیں یا اپنے بھائی کو کور دے رہے ہیں۔'' اس الزام پر زین ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا۔''

''مطلب یہ کہ ہوسکتا ہے آپ نے بھی کوئی شادی کررکھی ہو اور اس کو چھپانے کے لیے ہی آپ اپنے بھائی کے معاملے میں معصوم بن رہے ہیں کہیں وہ آپ کا راز آشکار نہ کردیں۔'' بدگمانی سے بولتے ہوئے اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف موجود شخص کو اس کے الفاظ کیسے تکلیف دے رہے تھے۔

''تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔'' وہ بمشکل بول پایا۔

''سمجھتی تو میں شہریار بھائی کو بھی ایسا نہیں تھی۔ دھوکا تو انہوں نے دیا نا۔ اب آپ پر کیسے اعتبار کروں۔'' فارہ نے فون بند کردیا تھا۔ زین فون ہاتھ میں لیے بے یقین سا بیٹھا تھا۔ یہ اس نے کیا کہہ دیا تھا۔ کیا اب اسے اس جرم کی سزا ملنی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

''ماما مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔'' وہ مشال کے کپڑے بدل رہی تھی جب حذیفہ کمرے میں آیا۔

''بابا واپس چلے گئے ہیں۔''

''میرے بابا مجھ سے ملے بغیر نہیں جاسکتے۔ آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔'' خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے لہجے میں باپ کے لیے یقین تھا۔

''بری بات حذیفہ ماما کو ایسے نہیں کہتے۔'' اس کی آنکھوں پر سے نظر ہٹاتے ہوئے ٹوکا۔ اس کی آنکھیں بالکل شہریار کی آنکھوں جیسی تھیں اور وہ اسے یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''سوری ماما۔ پر مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ بابا، دادی اور چاچو کے پاس۔ آپ بابا سے ناراض ہیں نا۔ میرے بابا بہت اچھے ہیں وہ جھوٹ بھی نہیں بولتے، کسی کو تنگ بھی نہیں کرتے۔ آپ ان سے صلح کرلیں نا پلیز ماما!۔ مجھے یہاں نہیں رہنا یہ سب میرے بابا کو برا کہتے ہیں۔'' آخری بات پر وہ ٹھٹکی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے آپ سے۔'' حذیفہ کو ہاتھ سے پکڑ کر قریب کیا۔

''آنٹی کہہ رہی تھیں میرے بابا اچھے نہیں ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور تانیہ اور فرح، مشال کو مارتے ہیں۔ ہمیں تنگ کرتے ہیں۔ مجھے اپنا بابا کے پاس جانا ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے پر ابھی تو نانا ابو نانو اور خالہ ناراض ہوجائیں گے نا کہ حذیفہ ان کے پاس رہتا ہی نہیں ہے۔ وہ تو آپ سے پیار کرتے ہیں نا اور میں آنٹی کو بھی ڈانٹوں گی ٹھیک ہے۔''

''آپ آنٹی کو کہنا میرے بابا بہت اچھے ہیں۔'' وہ معصومیت سے بولا۔ ایک بات جیسے اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ زینب نے سر ہلاتے ہوئے

www.urdugem.com

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔ پھر اسے مشال کے پاس بٹھا کر وہ بھابھی کے پاس آئی۔

''بھابھی آپ نے حذیفہ سے کیا کہا ہے اس کے باپ کے بارے میں؟''

''یہی کہا ہے کہ جھوٹا ہے۔ دھوکے باز ہے۔ تم بھی کہتی ہو میں نے کہہ دیا تو کون سا گناہ کردیا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولیں۔

''بچوں سے ایسی بات نہیں کرتے۔'' اس نے نظریں چرائیں۔

''ان کے سامنے نہیں کہتی تو کیا ہوا۔ اس حقیقت کا انہیں پتا تو چلنا ہے۔ ابھی سے جان لیں تو اچھا ہے۔ باپ سے دور دور رہیں گے۔ تمہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔'' بھابھی کو کچھ کہنا بے کار تھا۔ وہ سلگتی ہوئی امی کے پاس گئی۔ وہ دوپہر کے سالن کی تیاری کررہی تھیں۔

''امی یہ بھابھی واپس کب جائیں گی۔ دو ہفتے ہوگئے ہیں انہیں آئے ہوئے۔''

''اپنی مرضی سے رہ رہی ہے میں کیسے واپس بھیج دوں اور جب اپنی بیٹی پر زور نہیں چلتا تو پرائی سے کیا شکایت کرنا۔'' وہ ناراضی سے بولیں۔

''امی آپ کب تک ناراض رہیں گی اور پھر وہ عورتیں بھی تو زندگی کی گاڑی چلا ہی لیتی ہیں جن کے شوہر نہیں رہتے۔'' فردوس بیگم تپ کر اس کی طرف مڑیں۔

''زندہ کو مارو گی تو کیا باقی سب یقین کرلیں گے۔ یہ دھوکا تم خود کو تو دے سکتی ہو، دوسروں کو نہیں۔''

''دھوکا ہی سہی میں اس دھوکے کے ساتھ ہی خوش ہوں۔'' کاؤنٹر کی سلیب پر انگلی پھیرتی وہ نظریں چرا رہی تھی۔

''ایک بات یاد رکھنا زینب۔ یہ خود ساختہ بیوگی جو تم اوڑھنے چلی ہو، پچھتاؤ گی ایک دن کیونکہ وقت کی دھول پچھتاوے تو بڑھاتی ہے پر دوا نہیں کرتی۔'' سنجیدگی سے کہتی وہ نگاہ پھیر گئیں۔ زینب خاموشی سے پلٹ گئی۔

☆☆☆

''تم نے تو کہا تھا اعتبار کا رشتہ مضبوط ہو تو کسی تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر میں کیا سمجھوں کہ ہمارے درمیان اعتبار کا رشتہ کبھی تھا ہی نہیں۔'' وہ اس سے ملنے یونی ورسٹی تک آ گیا تھا کیونکہ وہ دو دنوں سے فون نہیں اٹھا رہی تھی اور وہ اندر ہی اندر سلگتا رہا تھا۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' اس کی سنجیدہ گہری نگاہیں خود پر محسوس کرتی وہ پلکیں جھکا گئی۔ اتنا سنجیدہ تو اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔''

''جب کسی کے اعتبار کی عمارت آپ کے سامنے زمین بوس ہوجائے تو لفظ اعتبار سے بھی اعتبار اٹھ جایا کرتا ہے اور اب بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے مزید تنگ مت کریں۔ ہمارے بڑوں کو ہی یہ فیصلہ کرنے دیں۔'' سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتی وہ کہہ گئی تھی۔

''میں اتنی آسانی سے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کسی اور کو نہیں کرنے دوں گا اور پھر اس جرم کی سزا مجھے کیوں ملے جو میں نے نہیں کیا۔''

''یہ میری زندگی ہے اور مجھے حق ہے کہ میں فیصلہ کرسکوں اور کوئی مجھے مجبور نہیں کرسکتا۔'' وہ تپ کر بولی۔ اسے تپتے دیکھ کر گہری سانس لیتا وہ دھیما پڑا۔

''مجھے نہیں معلوم تمہیں میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں۔ پر سچ یہی ہے کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ ہماری منگنی سے بھی پہلے کی بات ہے جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ شاید تمہیں یاد نہ ہو۔ تم کالج ٹرپ پر آئی تھیں اور وہاں کچھ لڑکوں نے فقیر بن کر تم لوگوں کے ساتھ مذاق کیا تھا۔ تم نے اپنا سارا لنچ اٹھا کر اس کو دے دیا تھا۔'' وہ جیسے کچھ یاد کر کے مسکرایا تھا۔ چہرے پر آسودگی سی آ گئی تھی۔ ''وہ ہمدرد سی لڑکی مجھے اس دن اتنی اچھی لگی کہ اس کے بعد بھی کوئی اچھا ہی نہیں لگا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بس وہی نظر آئی ہمیشہ۔ کسی اور پہ نظر پڑنے کا تو سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ فارہ تمہارے علاوہ میری زندگی میں کوئی اور نہیں آسکتا۔'' محبت سے اسے دیکھتا آج وہ اپنا دل اس کے سامنے کھول گیا تھا۔ یوں تو اس نے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ فون پر بھی فارہ اس قدر ریزروڈ بات کرتی تھی کہ معمول کی باتوں کے علاوہ کوئی ایسی بات ان کے درمیان نہ ہوتی تھی۔

''آپ اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ یوں جذباتی داؤ پیچ آزما کر مجھے شیشے میں اتار لیں گے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں جو باتوں کے جال میں پھنس جائے۔''

''فارہ تم میری توہین کررہی ہو۔'' اشتعال کی لہر اس کے اندر اٹھی تھی جس کو اس نے بمشکل دبایا۔ چہرے سے غصہ چھلک رہا تھا۔ وہ ایک سیکنڈ بھی یہاں نہ رکتا اگر سامنے کھڑی لڑکی سے اسے شدید محبت نہ ہوتی۔

''آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں۔ میرا تماشا مت بنائیں۔'' وہ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کے لان میں کھڑے تھے اور آس پاس موجود اسٹوڈنٹس انہیں کافی دیر سے دیکھ رہے تھے۔

''میں بات مکمل کیے بغیر یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں کوئی سڑک چھاپ فلرٹ لڑکا نہیں ہوں۔ رشتہ ہے ہمارے بیچ اور رشتے اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹتے۔'' سرد لہجے میں بولتے، اس کا تشنج تیز ہوا۔ مگر سامنے بھی فارہ تھی جس پر آج اس کے لہجے کا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''اگر آپ اس منگنی پر اترا رہے ہیں تو اس کمزور رشتے کو میں آج ختم کرتی ہوں۔'' سپاٹ لہجے میں بولتے اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری۔

''یہ لیجیے اپنی انگوٹھی اور آج کے بعد میرے راستے میں مت آیئے گا۔'' اس نے انگوٹھی لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ وہ تو بس بے یقین سا فارہ کا یہ روپ دیکھے جا رہا تھا جو اس حد تک بھی جا سکتی تھی۔ انگوٹھی قریبی بینچ پر رکھتی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی تھی۔ وہ اسے روک نہیں پایا تھا۔ بینچ پر سے انگوٹھی اٹھاتا وہ لب بھینچ گیا۔ اسے بھی تو وہ یوں ہی ناقدری سے چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

''کیا اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا؟'' کارپٹ پر ٹانگیں فولڈ کیے بیٹھا وہ قریبی صوفے پر بیٹھی زبیدہ بیگم کی گود میں سر رکھے ہوئے تھا۔ جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ ماں کی گود میں منہ چھپائے سکون تلاش کرتا ہے۔

زبیدہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔ اس کے بالوں کو سہلاتی ان کی انگلیاں بھی لمحے بھر کو تھم سی گئیں۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ خود تلاش نہ کر پائی تھیں۔

''دل تو یہی چاہتا ہے کہ سب پہلے جیسا ہوجائے، مگر جب اس بچی کا سوچتی ہوں تو زبان پر تالا لگ جاتا ہے۔ خود میں اتنی ہمت بھی نہیں پاتی کہ اس کا سامنا کرسکوں۔ میں تو اسے منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہی کہ میرے بیٹے نے اس کا اس قدر دل دکھایا ہے۔ جس شخص پر وہ صرف اپنا حق سمجھتی تھی اب اس میں کوئی اور بھی حصے دار ہے۔ یہ سہنا آسان نہیں ہے۔''

''اماں اگر بھابھی واپس نہ آئیں تو حذیفہ اور مشال کا کیا ہوگا۔'' ان کی گود سے سر اٹھاتا وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ زبیدہ بیگم خاموش ہی رہیں۔ کیا بتاتیں کہ دھیان تو سارے وقت ان دو معصوم بچوں کی طرف ہی لگا رہتا تھا۔ آخر ان کا مستقبل ماں باپ سے مشروط تھا۔ دونوں خاموش سے اپنی سوچوں میں غرق تھے۔ تھکا تھکا سا شہریار اندر آیا۔ سلام کرتا وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کی چابی سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔

''کہاں گئے تھے؟'' زبیدہ بیگم نے پوچھا۔

''شالین سے ملنے۔'' شہریار نے اپنی کنپٹیاں سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ زین نے لب سختی سے بھینچ لیے۔

''سمجھایا ہے اسے کہ وہ بے کار میں اپنا وقت ضائع کررہی ہے، مگر وہ بضد ہے کہ مجھے ساتھ لے کر جائے گی۔ وہ سمجھ رہی ہے کہ فیملی پریشر کی وجہ سے

www.urdugem.com

میں زینب کو نہیں چھوڑ رہا اور اسے چھوڑ دینا چاہتا ہوں حالانکہ میں صاف لفظوں میں اسے بتا چکا ہوں۔ اور چونکہ چھوڑنے کے سارے اختیارات اس کے پاس ہیں اس لیے میں خود سے یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتا اور اب یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتا۔"

"عجیب لڑکی ہے جب تم اسے رکھنا نہیں چاہتے تو کیوں تمہارے ساتھ بندھے رہنا چاہتی ہے۔" ان کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"قصور صرف اس لڑکی کا نہیں ہے اماں۔ آپ کے بیٹے کا بھی ہے جس نے خود غرضی میں یہ رشتہ جوڑا تھا۔ وہ اگر محبت کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی اور انہیں بھی مجبور کر رہی تھی۔ تب بھی زبردستی کا یہ رشتہ بنانا ہی نہیں چاہیے تھا اور بنا ہی لیا تھا تو نبھاتے۔ بھابھی کی زندگی کیوں خراب کر دی۔" زین تیز لہجے میں بولا تھا۔

"تم پرائی لڑکی کے لیے بھائی کو ایسے کہہ رہے ہو۔" شہریار کے سرخ پڑے چہرے کو دیکھ کر زبیدہ بیگم نے زین کو ٹوکا۔ زین بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں اماں وہ پرائی لڑکی ہے کیونکہ آپ اسے جانتی نہیں ہیں، مگر اس لڑکی کے پاس بھی دل ہوگا اس کے بھی جذبات ہوں گے ذرا سوچیں اسے کیسا لگا ہوگا یہ جان کر کہ شہریار بھائی نے دوسری شادی کر رکھی ہے۔" پھر وہ شہریار کی طرف مڑا۔

"آپ نے صرف ان دونوں لڑکیوں کی زندگی ہی برباد نہیں بلکہ میری زندگی بھی آپ کے دھوکے کے لپیٹ میں آ گئی ہے۔ فارہ نے منگنی کی انگوٹھی اتار کر میرے منہ پر ماری ہے کہ جاؤ جب تمہارا بھائی اعتبار کے لائق نہیں تو تم سے کیا امید کی جا سکتی ہے۔" استہزائیہ انداز میں کہتے اس نے جیب سے انگوٹھی نکال کر دکھائی۔ زبیدہ بیگم نے گہرا سانس لیا تھا۔ تو یہ وجہ تھی ان کے بیٹے کی اداسی کی۔ شہریار بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آیا، نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تم پریشان مت ہو۔ ہم تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹنے دیں گے۔"

"رہنے دیں مجھے یہ بہلاوا نہیں چاہیے۔ آپ کی طرف سے یہ تحفہ ہی بہت ہے۔" بدتمیزی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے وہ چلا گیا۔ شہریار شرمندہ سا زبیدہ بیگم کے قدموں میں بیٹھ گیا جو روئے جا رہی تھیں۔

"اماں آپ بھی مجھے معاف نہیں کریں گی۔" اس کے لہجے میں تھکن اور شرمندگی تھی۔ دوپٹے سے آنسو صاف کرتی وہ بولیں۔

"مائیں تو بڑی سے بڑی خطا معاف کر دیتی ہیں اور پھر تم تو میرے وہ بیٹے ہو جس نے میری ہر تکلیف کو بانٹا ہے۔ پھر کیوں نہیں معاف کروں گی تمہیں، مگر میں تم دونوں بھائیوں کو لڑتے اور دور ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔" آنسو پھر سے ان کے رخسار پر بہہ نکلے تھے۔ شہریار نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ ہمیشہ وہ ان کی تکلیفیں بانٹتا آیا تھا اور آج تکلیف کا سبب بن گیا تھا۔ اس احساس جرم سے وہ کبھی نکل بھی پائے گا یا نہیں؟ وہ نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

زندگی کے معنی جیسے اس کے لیے تبدیل ہو گئے تھے۔ وہ جو ہر لمحے سے خوشیاں کشید کرنے کے مواقع تلاش کیا کرتی تھی۔ اب ایسے جمود کا شکار ہو گئی تھی جس کے آگے گویا تلاش ممکن نہیں رہی تھی۔ بے سکونی اور اداسی کی لپیٹ میں تو وہ تھی ہی پر اب تو دل بھی بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ امی اس سے ناراض ہی رہتی تھیں جبکہ ابو اس معاملے میں بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ نہ ساتھ دیتے نہ اختلاف کرتے تھے اور دونوں بھائیوں کو اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بڑے بھیا واپس چلے گئے تھے پر جاتے وقت اسے یقین دہانی کروا کر گئے تھے کہ اگلی بار اس کا مسئلہ حل کر کے ہی جائیں گے۔ فارہ کے فائنل ہونے والے تھے وہ مصروف ہی رہتی تھی۔ وقت ملتا تو بچوں اور اس کو بہلانے میں لگی رہتی۔

وہ حذیفہ کی طرف سے بے حد پریشان تھی۔ وہ دن بدن چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا۔ باپ کے گھر جانے کی ضد بڑھتی جا رہی تھی۔ کل اس نے موبائل سے شہریار کو کال ملائی تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو اس باپ سے باتیں کرتا دیکھ کر ایک اشتعال کی لہر اس کے اندر ابھری تھی اور بے اختیار اس نے حذیفہ کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ لیا تھا، مگر یہ بے اختیاری اسے بہت بہت مہنگی پڑی تھی۔ حذیفہ کی طرف سے اتنا شدید ردعمل آیا تھا کہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ رو رو کر اس نے پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا اور بدتمیزی الگ کر رہا تھا۔ شکر کہ بھابھی میکے گئی ہوئی تھیں۔ پھر زینب نے اسے بہت منانے کی کوشش کی پر وہ اس قدر ناراض تھا کہ رات کو بھی اس کے پاس نہیں آیا، امی کے پاس ہی سو گیا تھا۔ ابھی وہ امی کے کمرے میں حذیفہ کو دیکھ کر آئی تھی جس کے معصوم سے چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشانات تھے۔ وہ اداس سی باہر لان میں نکل آئی۔ چہل قدمی کرتے اسے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ لیلیٰ بھابھی کی کال آ گئی۔

"اپنی زندگی کا فیصلہ جلد بازی میں مت کرو زینب۔ جس رشتے کو تم نے اپنے قیمتی پانچ سال دیے ہیں، وہ اتنا تو مستحق ہے کہ کم از کم پانچ مہینے تو اس کے لیے سوچو۔"

"جتنا بھی سوچ لوں جواب ایک ہی ملتا ہے۔ مجھے لگتا ہے شہریار کے لیے میرا دل بند ہو گیا ہے۔ جو شخص کبھی روشنی بن کر میری آنکھوں میں چمکتا تھا۔ آج میں اس کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔" لب کاٹتے اس نے بہت سے آنسوؤں کو اپنے اندر اتارا۔

"آپ بتائیں بھابھی اگر چھوٹے بھیا آپ کے ساتھ یہ سب کرتے تو آپ کا فیصلہ کیا ہوتا؟"

"یہ سوال بہت مشکل ہے۔ کسی اور کی جگہ خود کو رکھ کر سوچنا آسان نہیں ہوتا۔ پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ سوال جتنا بھی مشکل ہو، اگر اس کے بارے میں کیے گئے فیصلے کے اثرات آپ کی زندگی پر بہت گہرے ہوں تو اس کا جواب ڈھونڈنا ضرور چاہیے اور ایک بات کا خیال رکھنا۔ فیصلہ تو تمہیں ہی کرنا ہے، مگر اس کی لپیٹ میں تمہارے بچے بھی آئیں گے۔" بھابھی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ ان سے بات کر کے وہ اندر آ گئی۔ بسمہ بھابھی کے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ صبح ہی اپنا زیور اور فینسی کپڑے لینے آئی تھیں۔ ان کے میکے میں شادی تھی۔ وہ آگے بڑھ جانا چاہتی تھی، مگر اپنا نام سن کر ٹھٹک گئی۔ لاشعوری طور پر وہ کمرے کے قریب ہوئی۔

"جس فیصلے پر اڑ جائے کر کے چھوڑتی ہے۔ اب نہیں جانے والی واپس۔ طلاق لے کر رہے گی۔ میں تو کہتی ہوں بہت اچھا ہوا، تمہارا رشتہ ٹھکرا کر اس شہریار کے لیے ہاں کر دی تھی۔ دیکھ لو اب کیا گل کھلایا ہے اس نے۔" بھابھی کے طنزیہ لہجے کی کاٹ اسے اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔

"میں تو کہتی ہوں تم اس بار آ جاؤ تو تمہارے رشتے کی بات ایک بار پھر چلاتی ہوں زینب کے ساتھ۔ تمہاری طلاق کو سال ہو گیا ہے اور امی لڑکیاں دیکھ دیکھ کر خوار ہو رہی ہیں اور دانیال کو سنبھالنا الگ مشکل ہو گیا ہے۔" وہ جو جانے کے لیے مڑی تھی۔ بھابھی کی بات نے گویا قدموں کو جکڑ لیا۔ بے یقین سی وہ دروازے کی آڑ سے، فون پہ بات کرتی بسمہ بھابھی کو دیکھے گئی جو دوسری طرف کی بات سن کر سر ہلاتی پھر سے شروع ہو گئیں۔

"اس کی تم فکر نہ کرو، اس بار وہ انکار نہیں کر سکے گی۔ یہ بھائی جو اس وقت اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ طلاق کے بعد یہی زور دیں گے کہ دوسری شادی کر لو اور پھر میں ہوں نا اس بار کوئی راستہ نہیں چھوڑوں گی انکار کا اور رہا سوال اس کے بچوں کا تو شہریار کو تو وہ دے گی نہیں۔ تو چلو خیر ہے دانیال کے ساتھ پل ہی جائیں گے اور پھر خون کب جدا ہوا ہے۔ تھوڑے بڑے ہوں گے تو خود ہی باپ کے پاس چلے جائیں گے۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں پر اب زینب میں مزید سننے کی سکت نہیں تھی۔ بمشکل اپنا آپ گھسیٹتی وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

www.urdugem.com

''تمہارا فون کافی دیر سے وائبریٹ کررہا ہے۔'' چائے کا کپ فارہ سے لیتے اس نے بتایا۔ ساتھ ایک نظر مشال پر ڈالی جو ابھی سوئی تھی۔ فارہ نے ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا۔ اسکرین پر چمکتے زین کے نام کو دیکھ کر اس نے لب کاٹے۔ ساتھ ہی اس کا آخری میسج پڑھا جو چند منٹ پہلے ہی آیا تھا۔

''آج میں تم سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اس وقت تک گھر کے باہر موجود رہوں گا جب تک تم میرا فون نہیں اٹھاؤ گی۔''

''اپنا وقت ضائع مت کریں۔ ہماری بات ختم ہوچکی ہے۔ ابو آنے والے ہیں میری سبکی کا باعث مت بنیں۔'' اس نے میسج لکھا۔

''تو پھر آج میں ان سے بات کرکے ہی جاؤں گا یا پھر تم کرلو۔'' فارہ نے دانت پیسے۔ عجیب سر پھرا، دیوانہ لگا تھا جو اس کے انکار کے باوجود اس رشتے کو جوڑنے کے درپر تھا۔ اس کو جواب دینے کے بجائے موبائل آف کرتی وہ اٹھ گئی۔ امی ابو، حذیفہ کو ساتھ لے کر بسمہ بھابھی کے میکے کی شادی کی تقریب میں گئے ہوئے تھے اور ان کے آنے میں ابھی ایک دو گھنٹے باقی تھے۔ زینب کو اپنے جاگنے کا بتا کر وہ اپنی کتابیں سمیٹتی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

فارہ کے کمرے سے نکلتے ہی وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتی کھڑکی کے قریب آ گئی۔ کھلی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ باہر برستی کود دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چبھن بڑھنے لگی تھی۔ سچ کہتے ہیں کہ موسم انسان کے مزاج کے رنگوں سے مشروط ہوتا ہے۔ یہ موسم جو کبھی اس کی شوخیوں کو بڑھاوا دیا کرتا تھا اور وہ فلانچیں بھرتی بارش میں بھیگنے کے لیے دوڑ پڑتی تھی۔ آج یہی موسم اسے اپنے دکھ میں برابر کا شریک لگا تھا۔ بہت سے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گڈمڈ ہوئے تھے۔ بسمہ بھابھی کی کہی باتیں پھر سے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔ ساری تکلیف دہ سوچوں سے دامن چھڑاتی وہ رات کی تاریکی میں برستی بارش کو دیکھنے لگی۔ باہر دیکھتی وہ ٹھٹکی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ آنکھوں میں آئے آنسو دوپٹے سے صاف کیے اور غور سے نیچے دیکھا۔ وہ اس وقت گھر کی بالائی منزل پر موجود تھی۔ گھر کے گیٹ سے تھوڑی دور گاڑی سے ٹیک لگائے، جانے وہ کون دیوانا تھا جو اپنا غم غلط کرنے کو یوں اکیلا کھڑا، میں بھیگ رہا تھا۔ افسردگی سے اسے دیکھتی وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ ہی جاتی اگر وہ سر اٹھا کر اوپر نہ دیکھ لیتا۔ منہ پر آنے والے بارش کے قطروں کی پروانہ کرتے ہوئے ان کے گھر کی طرف دیکھتا وہ کچھ جانا پہچانا سا لگا اور پھر لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ اسے پہچان گئی تھی۔ باہر بجلی کڑکنے کی زوردار آواز سناٹے کو چیرتے ہوئے پھیلی تھی۔

''زین۔'' زیر لب پکارتی وہ بے اختیار بیرونی دروازے کی طرف بھاگی تھی۔

''یہ کیا بے وقوفی ہے زین۔ اپنی حالت دیکھو۔ کیوں اس طرح سے بارش میں بھیگ رہے تھے۔'' اسے گھر کے اندر بلاتے ہی وہ اس پر برس پڑی۔ پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے کھڑا وہ بری طرح بھیگ چکا تھا۔

''اب بتائیں۔'' اسے ابھی تک کھڑا دیکھ کر زینب نے اشارہ کیا۔

''رہنے دیں۔'' آہستگی سے کہتا وہ نظریں جھکائے کھڑا رہا، مگر زینب کے ڈپٹنے پر بیٹھ گیا۔

''کچھ ہوگے نہیں۔'' اسے ہی خاموشی کو توڑنا پڑا۔

''آپ سے تو نظریں ملانے کے بھی قابل نہیں ہوں۔'' زخمی مسکراہٹ زینب کے چہرے پر پھیل گئی۔

''شرمندہ مجرم ہوا کرتے ہیں اور نہ اس کیٹگری میں نہیں آتے۔ تمہیں نظریں چرانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مگر کبھی کبھی اپنوں کے جرم کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔''

''کیا ہوا۔ کوئی بات ہوئی ہے فارہ اور تمہارے درمیان۔'' وہ چونکی۔

''فارہ نے منگنی توڑ دی ہے۔ اعتبار نہیں کرتی مجھ پر۔ اسے لگتا ہے کہ میں بھی اپنے بھائی کی طرح اسے دھوکا دوں گا۔'' اسے دھچکا لگا تھا یہ سن کر، فارہ نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ ''آپ کو بھی یہی لگتا ہے بھابھی کہ میں فارہ کو دھوکا دوں گا۔'' کچھ تھا اس کے انداز میں، اس کی اٹھی ہوئی گہری آنکھوں میں۔ شاید ایسا احساس جو اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے جس سے بات کرنے آئے ہو پہلے اس سے بات کرلو۔'' گہرا سانس لیتی وہ اٹھ گئی۔

''ایک بات آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ جب میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی تو کیوں بار بار ڈسٹرب کرتے ہیں۔'' چند سیکنڈ بعد وہ اس کے سامنے موجود تھی۔ تمام تر سنجیدگی چہرے پر پھیلائے بے لچک انداز میں اسے دیکھتی ہوئی۔ زین کی حالت نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔

''ڈسٹرب تو میں بھی ہوں۔ انفیکٹ تمہاری وجہ سے ہوں۔'' زین اس کے مقابل کھڑا ہوا۔

''میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ مشورہ ہی دے سکتی ہوں۔ بھول جائیں کہ کبھی کوئی تعلق ہمارے درمیان تھا۔''

''دل سے جڑے تعلق آسانی سے بھلائے نہیں جاتے۔ نہ ہی دل کوئی ایسی زرخیز زمین ہے جس کی مٹی میں کوئی بھی پودا آسانی سے کسی کی جگہ لے لے۔ یہ زین احمد کا دل ہے یہاں کے مکین روز روز جگہ نہیں بدلتے۔'' مضبوط لہجے میں بولتا وہ سامنے کھڑی سنگدل لڑکی کو دیکھے گیا جس پر جذبات بھی شاید اثر نہیں کرتے تھے۔ دونوں بازو سینے پہ لپیٹے وہ بولی۔

''میں نے آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں جوڑا۔ اس لیے مجھے الزام مت دیں اور اگر آپ اپنی محبت کا واسطہ دینے آئے ہیں تو سمجھ لیں کہ محبت بھیک میں نہیں ملا کرتی۔'' آج سارے لحاظ بالائے طاق رکھے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ توہین کے احساس سے زین کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ بولا تو لہجہ بھی تیز تھا۔

''میں یہاں کچھ مانگنے نہیں آیا تھا۔ پر مان تھا اپنی محبت پر کہ اس کا حصار اتنا مضبوط تو ضرور ہوگا کہ تم مڑ کر دیکھو گی تو اعتبار پھر سے اپنی جگہ بنالے گا، مگر میں غلط تھا تمہیں تو اپنے فیصلے پر ملال تک نہیں۔'' وہ پلٹ گیا تھا پر کتنی ہی دیر فارہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی تھی۔

☆☆☆

''فارہ نے منگنی توڑ کر اچھا نہیں کیا۔ ابھی زینب آپی کا مسئلہ حل نہیں ہوا اور اس نے یہ اسٹیپ اٹھالیا۔'' زین کی ساری بات سن کر عمار نے تبصرہ کیا۔ وہ دونوں اس وقت کافی پینے آئے ہوئے تھے۔

''ادھر پھوپھو کے گھر میں کسی کو خبر بھی نہیں ہے اور ایک طرح سے اچھا ہی ہے زینب آپی کی وجہ سے وہ لوگ پہلے ہی سخت پریشان ہیں۔ امی خود پھوپھو سے شرمندہ ہیں۔ آخر یہ رشتہ کرانے میں وہ پیش پیش تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ شہریار بھائی کے بارے میں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا۔'' کافی کا سپ لیتے ہوئے عمار نے سامنے بیٹھے زین کو دیکھا جو خاموش بیٹھا کافی سے بھرے کپ کو گھورے جارہا تھا۔

''اب کچھ بول بھی دے۔ کب سے میں بولے جارہا ہوں۔'' عمار نے اسے اکسانا چاہا۔

''کیا بولوں بتا تو چکا ہوں سب اور ویسے بھی ہم کچھ بولنے کی پوزیشن میں رہے ہی کب ہیں۔ اب تو بس سننی ہی پڑیں گی۔'' گہرا سانس لیتا وہ نظریں چرا گیا تھا۔

''کم آن یار۔ تمہارا تو اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے اور پھر بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔'' عمار نے تسلی دینے کی کوشش کی۔ ایک تلخ مسکراہٹ زین کے لبوں پر پھیل گئی۔ اسی وقت زین کو پکارتا ہوا کوئی ان کی ٹیبل پر آیا تھا۔

''عدیل بھائی۔'' زین ان کو پہچان کر اٹھا۔ وہ شہریار کا سب سے قریبی دوست تھا۔ دونوں ایک ہی

www.urdugem.com

فرم میں جاب کرتے تھے۔ انگلینڈ میں بھی اس سے زین کی ملاقات ہوئی تھی اور ایک دوبار پاکستان میں بھی۔

"آپ کب آئے؟" انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے زین نے پوچھا۔

"کل ہی آیا ہوں۔ ابھی شہریار سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ فون پر تو کافی ٹینس لگ رہا تھا۔ معاملات کچھ حل ہوئے۔" عدیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔ یقیناً وہ بہت کچھ جانتا تھا۔

"جس قدر وہ حالات بگاڑ چکے ہیں۔ مشکل ہی ہے اب کچھ سدھر پائے۔" زین کے لہجے کی تلخی عدیل کو اچھی طرح محسوس ہوئی۔ "آپ تو سب جانتے تھے۔ مجھے بتا سکتے تھے بلکہ اپنے دوست کو روک بھی سکتے تھے۔ پھر کیوں نہیں روکا آپ نے انہیں دو دو زندگیاں برباد کرنے سے۔" عمار خاموش سامع کی طرح زین کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ زین کی سنجیدگی سے کہی بات پر عدیل ہلکا سا مسکرایا۔

"بہت خفا ہو اپنے بھائی سے، مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا زین کہ کہانی کے ہمیشہ دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک جو الزام لگانے والا سناتا ہے اور دوسرا وہ جو ملزم سناتا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ شہریار نے جو کیا ٹھیک کیا۔ ہاں پر یہ ضرور کہوں گا کہ اپنی جگہ پہ کھڑے رہ کر دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانا بہت آسان ہوتا۔ اگر اس کی جگہ پر آ کر دیکھو تو جانو اس کے سود و زیاں کا حساب۔" گہرا سانس لیتا وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر اپنے مخصوص انداز میں ہلکا سا مسکرا کر بولنا شروع کیا۔

"اور یہ جو ہم پردیسی ہوتے ہیں نا۔ جو اپنے گھر والوں کی خاطر پیسا کمانے سات سمندر پار جاتے ہیں۔ یہ وہاں کیسے رہتے ہیں۔ کیسے پائی پائی جوڑ کر گزارا کرتے، کیا کیا تکلیفیں سہتے ہیں۔ یہ سب ان کے گھر والے بھی کہاں جان پاتے۔ ایسے میں اگر ہمیں اپنا آپ بھی بیچنا پڑے تو یہ بھی کر گزریں۔ میں شہریار کے اچھے برے وقت کا ساتھ ہوں۔ اکٹھے ہم نے چوبیس چوبیس گھنٹوں کی ڈیوٹیاں دیں، بیماری میں ایک دوسرے کا سارا بوجھ اٹھایا۔ اکٹھے ہنسے، اکٹھے روئے۔ جب ہم یہاں سے گئے تو ہماری تعلیم اتنی نہیں تھی کہ اچھی نوکری کر سکتے۔ شروع کے سالوں میں بہت مشکل وقت دیکھا۔ شہریار کو پڑھنے کا شوق بھی تھا اور کچھ مالی حالات کو بھی بہتر بنانا چاہتا تھا۔ بس اسی تگ و دو میں اس نے مجھے بھی شامل کر لیا۔ اتنے گھنٹوں کی ڈیوٹیوں کے ساتھ پڑھنا خاصا مشکل تھا، مگر ہم نے کیا۔ تب ہی ہمیں بہتر نوکریاں ملنا شروع ہوئیں۔ پھر حیدر صاحب کی فرم میں اچھی جاب مل گئی۔ سب سیٹ تھا، ہم گھر والوں کو اچھی طرح سے سپورٹ کرنے لگے تھے۔

پھر شالین حیدر آ گئی۔ حیدر صاحب کی اکلوتی بیٹی جس کو شہریار کچھ عرصے تک سپروائز کرتا رہا تھا۔ پتا نہیں کیسے وہ شہریار کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ شاید اس کی شاندار پرسنالیٹی کی وجہ سے۔ شہریار نے اس کے پروپوزل کو فوراً ہی رد کر دیا تھا اور شالین کے لیے یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔ یہ سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہونے والوں میں سے تھی جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دیں وہ حاصل کر کے ہی رہتے ہیں۔ شالین عجیب جنونی سی لڑکی ہے۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ شہریار کے پلس پوائنٹس کی وجہ سے حیدر صاحب کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ انہوں نے شہریار کو خاصا پرپوزائز کیا تھا۔ وہ تب بھی نہ مانتا اگر اس سے ریزگنیشن (استعفیٰ) نہ مانگ لیا جاتا۔ حیدر صاحب نے آخری حل یہی دیا کہ یا تو وہ جاب چھوڑ کر چلائے جائے یا پھر شالین سے شادی کر لے۔ اور وہ شاید جاب چھوڑ دیتا اگر اس وقت اسے اپنے بھائی کی سمسٹر کی فیس نہ دینی ہوتی۔" عدیل نے سنجیدگی سے سامنے بیٹھے زین کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

"چھ سال پہلے اس کے بھائی کی فیس پہلی مرتبہ لیٹ ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کشمکش میں تھا کہ اس سے کم پیسوں والی جاب کر لے جو اسے اس وقت مل سکتی تھی یا پھر حیدر صاحب کی آفر میں ملنے والی مراعات کا فائدہ اٹھائے اور فیصلہ ہو گیا تھا۔ وہ جوا کھیل گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ماں جی کو بتا دے۔ پر وہ نہیں مانا۔ مرد پر اگر کوئی فیصلہ زبردستی مسلط کر دیا جائے تو اس کے لیے قبول کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ شالین اچھی لڑکی نہیں ہے۔ پر میرے خیال میں وہ دیسی بیوی نہیں بن سکتی تھی جیسی ہم مڈل کلاس مردوں کو چاہیے ہوتی ہے۔ تب ہی تو شہریار کو اس سے محبت نہیں ہوئی جب کہ زینب بھابھی کے ساتھ شادی کے بعد وہ اتنا خوش رہنے لگا تھا کہ میں حیران ہوتا تھا اسے دیکھ کر۔" پھر وہ کھڑکی دیکھتا ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"یہ ہم پردیسیوں کی کہانیاں بھی بڑی لمبی ہوتی ہیں۔ خاصا وقت لے لیا تم دونوں کا۔"

"آپ بیٹھیں کچھ کھلاتے ہیں آپ کو۔" عمار کو یک دم خیال آیا۔ وہ مسکرایا پھر زین پر نظر ڈالی جو غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ضبط سے چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی اندرونی کیفیت یقیناً توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔

"رہنے دو کھانے کا وقت تو گزر گیا۔ ویسے بھی پردیسیوں کو فاقوں کی عادت ہوتی ہے۔ خالی پیٹ ہمیں تنگ نہیں کرتا۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے نظر اس کے مضطرب چہرے پر پڑی تو وہ پریشان ہوا تھا۔

"کیا ہوا زین؟" متفکر سا اس کی جانب دیکھتا وہ اس کے احساس جرم کو بڑھا گیا۔ اس سے پہلے کہ شہریار اپنی جگہ سے اٹھتا۔ زین سر جھکائے، گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"سب غلط ہو گیا بھائی۔ وہ سب جو میں نے آپ سے کہا۔ مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ابا کے بعد آپ کی شفقت کے سائے کو میں نے ہمیشہ محسوس کیا۔ آپ کے وجود میں تو ابا مل گئے تھے مجھے۔ پیار کرنے والے، تحفظ دینے والے۔ میری ہر تکلیف پر تڑپ اٹھنے والے۔" شہریار نے اسے ٹوکنے کے لیے منہ کھولا، مگر زین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے روکا۔ آنکھوں میں درد کی چبھن نمی بن کر اتری تھی۔

"آج مجھے بولنے دیں کیونکہ آپ نے تو بڑے بھائی ہونے کے سارے فرائض نبھائے، مگر جب میری باری آئی تو میں خود غرض ہو گیا بالکل اس بیٹے کی طرح جو باپ کے کندھے تک پہنچتا ہے تو اس کے مرتبے اور حیثیت کو بھی بھول جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے کہ کیسے باپ نے اسے قدم قدم چلنا سکھایا تھا۔ اپنے برابر کھڑا کرنے کے لیے کیسی کیسی تکلیفیں سہی تھیں۔ حالانکہ مجھے تو وہ پہلا شخص ہونا چاہیے تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا بھلے سے کوئی کچھ بھی کہتا پر مجھے تو آپ کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ مجھے معاف کر دیں بھائی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا صرف اپنا نقصان ہوتا نظر آیا مجھے۔ تب ہی تو ان ہاتھوں کو جھٹک دیا جو دن رات میرے لیے محنت کرتے رہے۔" نمی کو اپنے اندر اتارتے زین نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ دل سے جیسے کوئی نادیدہ بوجھ سا اترتا محسوس ہوا تھا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے۔ بچے اپنے باپ کو ہیرو سمجھتے ہیں اور جب ان کا بنایا ہوا بت ٹوٹتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے۔" شہریار نے اسے شرمندگی کے احساس سے نکالنا چاہا۔ پر اس کے لہجے میں چھپی تکلیف زین کو آج پوری طرح محسوس ہوئی تھی۔ گہرا سانس لیتے ہوئے شہریار نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھایا۔ بولا تو لبوں پر نرم مسکراہٹ تھی۔

"تم میرے بیٹے ہو زین۔ تمہاری خوشی مجھے اپنی خوشی سے زیادہ عزیز ہے۔ تم فکر مت کرو میں خود فارہ کے پاس جاؤں گا، اس سے بات کروں گا۔ اسے بتاؤں گا کہ زین جیسا تو اسے کوئی مل ہی نہیں سکتا۔"

www.urdugem.com

"نہیں بھائی۔ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ میں نہیں چاہتا وہ آپ سے الٹا سیدھا کچھ کہے۔ وہ آپ کی بے عزتی کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔" سختی سے کہتا وہ لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ شہریار خاموش ہوگیا۔

☆☆☆

"منگنی توڑ دی اور بتایا بھی نہیں۔" ٹانگیں فولڈ کیے، گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کیے وہ لان کی جانب جاتی سیڑھیوں پر بیٹھی اپنے دھیان سے چونکی۔ نظر بے اختیار اپنے قریب بیٹھی زینب پر پڑی جس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"پتا چل گیا آپ کو۔"

"پتا تو اسی دن چل گیا تھا زین سے، بہت جلدی نہیں کرلیا یہ فیصلہ تم نے۔"

"کچھ فیصلے وقت پر کر لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کم از کم بعد میں پچھتانا تو نہیں پڑے گا۔" ہوا کے زور پر اڑتی شرارتی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے بھی ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟" فارہ اس کی جانب مڑی جو اسی کے انداز میں بیٹھی، سامنے دیکھتی اندھیرے میں کچھ تلاش کررہی تھی۔ چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔

"میں واپس جارہی ہوں مجھے شہریار سے طلاق نہیں لینی۔" اسے لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"کیوں آپ..... کہیں آپ میری وجہ سے....." اسے یک دم خیال سا آیا، مگر زینب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"نہ تمہارے لیے نہ اپنے لیے۔ یہ فیصلہ میں نے حذیفہ اور مشال کی وجہ سے کیا ہے۔ بہت سے رویوں اور باتوں نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کرنے چلی ہوں۔ شہریار کو چھوڑ کر شاید میں اپنی انا کی تسکین تو پالوں، مگر اپنے بچوں کی زندگی میں آنے والی محرومیوں کا ازالہ نہیں کرپاؤں گی۔" تحمل سے بولتی وہ اسے کوئی اور ہی زینب لگی۔

"کسی نے آپ سے کچھ کہا ہے۔" فارہ کو شک گزرا۔

"کسی نے کچھ بھی کہا ہو پر سچ یہی ہے کہ میرے بچوں کو اپنے باپ کی ضرورت ہے اور اس کی جگہ ان کی زندگی میں کوئی نہیں لے سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرا دل اس سے کوئی بھی تعلق رکھنے پر راضی نہیں۔ پر میں اپنے دل کو سمجھالوں گی۔ کیونکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ شخص میرے بچوں کا باپ ہے۔ ان سے محبت کرتا ہے اور اس میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے کہ میں ان سے ان کا گھر، ان کی چھت چھین لوں۔ جو حق بچے اپنے باپ کے گھر پر۔ اس دی ہوئی چیزوں پر جماتے ہیں وہ کسی دوسرے کی چیز پر نہیں ہوسکتا اور پھر میں ان پر یہ ظلم کیوں کروں۔ مجھے ان سے ان کا باپ، ان کا ہیرو نہیں چھیننا۔ وہ ٹوٹ جائیں گے، بکھر جائیں گے اور میں ساری زندگی انہیں سمیٹنے میں لگی رہوں گی۔" بے اختیاری میں چھلک پڑنے والے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتی وہ اس کی جانب مڑی۔

"تم سے یہی کہوں گی کہ زین کو ایک موقع دو۔ وہ بہت اچھا ہے اور اس سارے قصے میں اس کا قصور تو کہیں پر بھی نہیں ہے۔ شاید میں تم سے ایسا نہ کہتی، مگر اس رات مجھے اس کی آنکھوں میں وہی تکلیف، وہی چبھن نظر آئی جو مجھے اپنے وجود میں محسوس ہوتی ہے۔ بہت چاہتا ہے وہ تمہیں اور اس کی چاہت میں کوئی کھوٹ نہیں نظر آیا مجھے۔ ایسے پیارے اور خالص جذبات رکھنے والے انسان کی ناقدری نہ کرو فارہ۔ مان لو کہ وہ تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔"

"مانتی تو ہوں۔" اس کی زبان سے پھسلا پھر اس نے نگاہ چرالی۔ زینب منتظر نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ "میں نے منگنی اس لیے نہیں توڑی کہ مجھے اس پر اعتبار نہیں ہے یا اس کی محبت پر شک ہے اپنے لیے اس کا احساس ہونا مجھے بھی نظر آتا ہے۔ اس کی

محبت کا خالص پن بھی محسوس ہوتا ہے۔" جھکی نظروں سے وہ اعتراف کررہی تھی۔

"پر آپی آپ خود بتائیں۔ اگر آپ شہریار بھائی سے رشتہ توڑتیں تو کیا ہمارا رشتہ باقی رہ پاتا، مگر زین کو یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسی لیے مجھے لگا کہ ابھی سے اسے اس بات کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ میرے سخت رویے کی وجہ بھی یہی تھی، مگر وہ اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے یہی لگا کہ میں اس کے ساتھ زیادتی کررہی ہوں۔" جس بات کو وہ اتنے دنوں سے اپنے دل میں چھپائے بیٹھی تھی، آج زینب کو بتاتے ہوئے اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہوا۔

"ضروری تو نہیں تھا کہ تم دونوں کا رشتہ بھی ٹوٹتا اور امی تو ابھی بھی یہ ہی چاہتی ہیں کہ تمہارا رشتہ جڑا رہے۔" اس نے ٹھنڈی ہوا کو گہرا سانس لے کر اندر اتارا۔

"نہیں آپی وہ آپ کو بھی اسی گھر سے وابستہ دیکھنا چاہتی ہیں اور بالفرض اگر ہمارے بڑے ایسا کوئی فیصلہ کرتے بھی تو میں خود اس رشتے پر راضی نہ ہوتی۔ بھلا آپ کو میں تکلیف میں کیسے دیکھ سکتی تھی۔ اس گھر کے ہر فرد سے آپ کا ایک رشتہ رہا ہوتا جو ہر بار نئے سرے سے آپ کو تکلیف میں مبتلا کیے رکھتا۔ میں اتنی خودغرض نہیں ہوں آپی اور پھر میں کیسے اس شخص کی عزت کرپاتی جو میری بہن کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا۔" اس نے پیار سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا تھا۔ کتنی پروا تھی اسے اس کے جذبات کی۔ اسے پیار سے ساتھ لگاتے ایک خوب صورت مسکراہٹ لبوں پر پھیلی تھی۔ فارہ بھی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

☆☆☆

"واپس کب جانا ہے تم نے۔" چولہے کی آنچ دھیمی کرتی، سالن کو دم پہ رکھتے ہوئے وہ اسٹول پر بیٹھ کر پانی پیتے زین سے مخاطب تھی۔

"اس دل کو ہم نے سمجھایا بہت ہے۔ میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔ یہاں پر ایک اچھی جاب آفر تھی۔ اسے منظور کرلیا ہے۔" خالی گلاس پر رکھتے اس نے بتایا۔

"گڈ نیوز۔" وہ مسکرائی۔ ساتھ ہی سلاد تیار کرنے لگی۔

"اب آپ بھی کوئی گڈ نیوز دیں۔" ٹماٹر کاٹتے اس کے ہاتھ رکے نا سمجھی سے زین کو دیکھا۔

"بھئی آپ کے دیور کی اب شادی کی عمر ہوگئی ہے۔" اس کے مزے سے کہنے پر وہ مسکرائی اور پھر سے ہاتھ چلانے لگی۔ "مسکرائیں مت۔ کچھ بات آگے بڑھائیں، کیوں کہ اب اماں تو کچھ بولیں گی نہیں۔ آپ کو ہی کچھ کرنا ہوگا، اس سے پہلے کہ آپ کی بہن اپنی منگنی کے ٹوٹنے کا اعلان نشر کرتی پھرے۔" اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے اسے فارہ کا پتھریلا انداز یاد آیا۔

"شادی تو اس کے فائنلز کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ چلو تاریخ رکھ لیتے ہیں یا کہو تو پھر سے منگنی کرادوں۔ ری نیو ہوجائے گی نا۔" اسے تنگ کرتی وہ شرارت سے بولی۔ زین بدک کر کھڑا ہوا۔

"ہرگز نہیں۔ منگنی کرکے دیکھ چکا ہوں، کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بالکل بھروسا نہیں رہا۔ اس لیے نکاح کی بات کریں، وہ بھی جلد سے جلد۔" سلاد کی پلیٹ ڈھک کر رکھتی وہ مڑی۔ دونوں ہاتھ پر رکھ کر زین کو غور سے دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھا۔

"میرا خیال تھا تم فارہ سے اچھے خاصے ناراض ہوگے۔"

"ناراض تو میں ہوں۔ غصہ بھی بہت ہے، مگر کیا کروں، دل اس سے دستبردار ہونے پر راضی ہی نہیں ہوتا اور پھر محبت بھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ تو سامنے والے کو ایسے سنوارتی ہے کہ اس کی خامیاں بھی قابل قبول ہوجاتی ہیں۔" کاؤنٹرز کی سطح پر ہاتھ پھیرتا وہ نظریں جھکائے سنجیدگی سے بولا۔

"خیر آپ فکر مت کریں۔ بخشوں گا تو اسے میں بھی نہیں۔ گن گن کر بدلے لوں گا۔" ہلکے پھلکے

www.urdugem.com

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

انداز میں بولتے ہوئے سر اٹھایا۔ زینب نے نگاہ چرائی۔ ساتھ ہی زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر پھیلائی۔

"شرم کرو میری بہن کے بارے میں کہہ رہے ہو۔"

"نہیں میں تو آپ کی دیورانی کی بات کررہا ہوں۔" زین نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا، آنکھوں میں شرارت تھی۔ زینب کو ہنسی آئی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی ہنسی غائب ہوئی۔ چہرے کے تاثرات تیزی سے سنجیدگی میں ڈھلے تھے۔ سالن کے نیچے چولہا بند کرتی وہ تیزی سے اس کے پہلو سے نکلتی چلی گئی۔ زین نے گہرا سانس لے کر شہریار کو دیکھا، جس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا اور نظریں جاتی ہوئی زینب پر تھیں۔ زین نے قریب آکر بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ بے اختیار چونکا۔

"زخم گہرا اور تازہ ہو تو اس کی دکھن وجود میں تلخی بھر دیتی ہے اور اس تلخی کو نکلنے کے لیے وقت بھی درکار ہے اور نرمی و محبت بھی۔ انہیں تھوڑا وقت دیں، وہ سنبھل جائیں گی۔" شہریار نے سر ہلاتے ہوئے طویل سانس لیا۔ دو دن ہوگئے تھے اسے واپس آئے، مگر اس سے بات تو درکنار، اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ ایسا اجنبی روپ تو اس کا سوچا ہی نہیں تھا۔ پتا نہیں یہ اجنبیت کی دیوار کتنی طویل تھی۔ کیا خبر زندگی اتنی مہلت دیتی بھی ہے یا نہیں کہ وہ اسے ختم کر پاتا۔

☆☆☆

دعا کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرتی وہ ٹھٹکی۔ ایک مانوس سی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ ناگواری کی ایک لہر وجود میں گویا سرایت کر گئی۔ جب سے وہ آئی تھی ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی کمرے میں موجودگی صرف بچوں کے جاگنے تک ہی ہوتی تھی اور اب جب کہ وہ بچوں کو سلا کر ہی کمرے سے گیا تھا، تو پھر سے کمرے میں آنے کا کیا مقصد ہوسکتا تھا۔ وہ الجھی، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھتی، وہ گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کیا تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں۔ کیا میرا جرم اتنا بڑا ہے کہ اس کی کوئی معافی نہیں۔" دھیمی آواز میں بولتا وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ وہ اس کی جانب نہیں دیکھ پائی تھی۔ جاءنماز پر نظریں گاڑے، پتھریلے تاثرات کے ساتھ بس سنے جارہی تھی۔ "تم سمجھتی ہو نا کہ مجھے احساس نہیں ہے تمہارے ساتھ کی زیادتی کا۔ اس دھوکے کا جو میں تمہیں دیتا رہا۔ ایسا نہیں ہے، مجھے احساس ہے اور کیوں نہ ہو کہ جن آنکھوں میں میری محبت روشنی بن کر چمکتی تھی۔ جو مجھے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ آج ان میں میرے لیے چاہت کے رنگ نہیں ہیں، صرف نفرت اور بےزاری ہے۔" اس کی بجھی ہوئی خوب صورت آنکھوں کو دیکھتا وہ بولے گیا۔ "اور پھر ہمارے بیچ کی یہ نفرت ہمارے بچے محسوس کریں گے۔ بہت سے سوال ان کے ذہنوں میں اٹھیں گے۔ وہ......" زینب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"اپنے بچوں کی وجہ سے آج میں یہاں ہوں۔ کوشش کروں گی کہ ان کے سامنے نارمل رہ سکوں۔ مگر ہمارا رشتہ کبھی پہلے جیسا نہیں ہوسکتا۔" اس کا تلخ اور اٹل انداز بہت کچھ باور کرا رہا تھا۔ وہ مایوس ہوا۔ اپنی جگہ سے اٹھتا بوجھل قدم دروازے کی جانب بڑھائے۔

"شالین کو مت چھوڑو۔" وہ اپنے پیروں پر گھوما تھا۔ کیا وہ کچھ بولی تھی یا اس کی سماعت کا دھوکا تھا۔ مگر سنجیدگی سے بولتی وہ اپنی بات دہرا گئی۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ شہریار منتظر سا کھڑا تھا۔ "تمہاری زندگی میں کوئی ہے یا نہیں، مجھے اب اس سے فرق نہیں پڑتا۔ میرے بچے ویسے ہی اپنے باپ کا انتظار کریں گے جیسے ہر سال کرتے ہیں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم کسی اور کے ساتھ زیادتی مت کرو۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں نہیں چاہتی کسی کی آہ اس کی زندگی کی خوشیوں کو کھا جائے یا اس کے باپ کی گئی زیادتی اس کے آگے آئے۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" بات مکمل کرتی وہ جاءنماز لپیٹنے لگی۔ لب بھینچتا وہ بمشکل خود کو دروازے کی طرف گھسیٹ پایا۔ قدم جیسے من من بھر کے ہو رہے تھے۔ دل الگ بوجھل تھا۔

☆☆☆

وہ اس کے ملنے کی خواہش پر حیران ہوئی تھی۔ یوں اچانک سے گھر آگئی تھی کہ وہ انکار بھی نہیں کرسکی۔ شہریار اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کا بتا کر باہر چلا گیا تھا۔ شام کا وقت تھا، بچے زین کے ساتھ پارک گئے ہوئے تھے اور اماں دوا کھا کر سو رہی تھیں۔ سارے کام جوں کے توں چھوڑ کر وہ اس کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ پل خاموشی سے گزر گئے۔ زینب اس کے بولنے کی منتظر تھی، مگر وہ فرصت سے بیٹھی اسی کو دیکھے جارہی تھی۔

"آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی ہے؟" بالآخر زینب نے اپنے دل میں مچلتا سوال پوچھا۔

"اس لڑکی کو دیکھنے آئی ہوں، کل تک جس کے لیے شہریار سب کچھ چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اپنے نقصان کی بھی پروا نہیں تھی اسے۔ جبکہ وہ جانتا ہے کہ شالین حیدر اسے کنگال کرسکتی ہے۔ وہ سب بھی اس سے چھین سکتی ہے جو اس نے اپنی محنت سے بنایا ہے۔" سنجیدگی سے بولتی وہ رکی، پھر ایک خوب صورت مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی جو اس کے حسین چہرے کو حسین تر بنا رہی تھی۔ "پر آج تو حیران کردیا اس نے۔ کل تک جس کی خاطر وہ شالین کو چھوڑ رہا تھا۔ اب اسی کی خاطر اپنانا چاہتا ہے۔ میں دیکھنے آئی ہوں کہ آخر تمہاری محبت میں ایسا کیا ہے کہ اسے اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ کیوں تم اتنی اہم ہو۔ اس کے لیے کہ وہ اپنے فیصلے بھی پل میں بدل لیتا ہے۔ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر۔" اس کے حسرت آمیز لہجے پر زینب نے پہلو بدلا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے، تم بیوی ہو اس کی۔ حق رکھتی ہو اس پر......" اور بھی کچھ الفاظ وہ اس کی تسلی کے لیے بولنا چاہتی تھی کہ اس کے ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا، مگر اس نے استہزائیہ ہنستے ہوئے بات کاٹی۔

"بیوی...... ہوں اس ناطے تو اس کی محبت پر بھی حق رکھتی ہوں، پھر کیوں نہیں کرتا وہ مجھ سے محبت۔" اس کا لہجہ آنچ دیتا ہوا تھا۔

"کوئی تم سے محبت کیوں نہیں کرے گا۔" بے اختیار زینب کے منہ سے پھسلا۔ آخر اس کا حسن نظر انداز کیا جانے والا تو نہیں تھا۔

"میں بھی یہ ہی سمجھتی تھی کہ جسے چاہوں گی اپنا بنالوں گی۔ مگر شہریار کو تو مجھ سے محبت نہیں ہوئی۔ اسے تو میری پروا بھی نہیں ہے۔ شاید اس لیے کیوں کہ ہمارا رشتہ غرض کی بنا پر جڑا تھا۔ مجھے وہ چاہیے تھا اور اسے اپنی جاب۔ دھونس اور زبردستی سے میں اس کی زندگی میں گھس تو گئی، مگر اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکی۔ اس کی زندگی میں آنے سے پہلے اگر میں اس کا دل جیت لیتی تو شاید آج صورت حال مختلف ہوتی۔" آنکھوں میں چبھن سی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ کی انگلی سے آنکھ مسلتی، گہرا سانس لیتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ "اچھا لگا تم سے مل کر۔ مان گئی کہ تم کچھ الگ ہو۔ اپنا شوہر بھی بانٹنا چاہتی ہو اور اس کی محبت بھی۔ مگر اب مجھے اس کا ساتھ نہیں چاہیے۔ میرا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس کی آنکھوں میں تمہارا عکس دیکھوں اور پھر ساری زندگی خود کو دھوکا دیتی رہوں۔" اس کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔ زینب کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کن الفاظ میں اس کی تشفی کرائے۔ ایسا کیا کہے کہ اس کی تکلیف کم ہو۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ "بائے" کہتی ڈرائنگ روم کے دروازے سے نکلی۔ سامنے کھڑے شہریار کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

"شالین آئی ایم سوری۔ اب احساس ہو رہا ہے، مجرم تو میں تمہارا بھی ہوں۔ بیوی ہونے کے ناطے سے دھوکا تو تمہارے ساتھ بھی ہوا ہے۔" وہ شرمندہ سا نظریں چرا گیا۔ تھکن اس کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

www.urdugem.com

''اس ٹاپک کو رہنے دو شہریار...... مسکرا کر رخصت کرو۔ میں واپس جارہی ہوں۔'' حلق میں جمع ہوتے نمکین پانی کو نیچے اتارتی وہ خود کو کمپوز کررہی تھی۔

''تم اکیلے نہیں جارہی، میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ اب میں خود بھی یہ رشتہ نبھانا چاہتا ہوں۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''نہیں شہریار...... مانا کہ اس سارے قصے میں ہم دونوں ہی قصوروار ہیں، مگر اس کی سزا اس تیسرے شخص کو کیوں ملے جس کو سب سے زیادہ تکلیف ہوئی ہے ہماری وجہ سے۔ نہیں اب ایسا ممکن نہیں ہے۔'' نفی میں سر ہلاتی، اپنی بات پر زور دیتی آج وہ کوئی اور ہی شالین لگی، جس کے انداز میں غرور کی جھلک نہیں تھی۔ شہریار نے گہرا سانس لیا۔

''وہ خود ایسا چاہتی ہے۔ اسے فرق نہیں پڑے گا۔''

''مجھے فرق پڑے گا۔ کچھ میری چاہت کا ہی خیال کرو۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ زیرلب مسکرائی۔ آنکھوں کے زیریں کناروں پر نمی ٹھہر گئی تھی۔

''مجھے یہ اعزاز دو شہریار کہ میں نے خود تمہیں چھوڑا ہے۔ اپنی مرضی سے۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ بولنے کے لیے کچھ بچا ہی کب تھا وہ تو خود ہی سارے تعلق ختم کررہی تھی۔ ''تم ایک اچھے انسان ہو شہریار۔ تم نے ہمارے رشتے کو مس یوز نہیں کیا۔ میری پراپرٹی پر نظر نہیں رکھی۔ حالانکہ تم یہ کرسکتے تھے۔ تمہاری ان ہی خوبیوں کی تو گرویدہ تھی میں۔ خیر تمہاری یہ اچھائی میں ہمیشہ یاد رکھوں گی اور تمہیں بھی۔'' نم آنکھوں کے ساتھ وہ ہنس دی، ورنہ سارے آنسو چھلک پڑتے۔ پھر جلدی سے بائے کہتی باہر نکل گئی۔ گاڑی میں شازمین اس کا انتظار کررہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے اندر کھڑی زینب اور دروازے کے باہر کھڑا شہریار، دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں غرق کتنی ہی دیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے تھے۔

☆☆☆

پورا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ نکاح کی تقریب شروع ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا نے ماحول میں ایک خوش گواریت سی بھردی تھی۔ سب ہی لان میں منعقد کی گئی نکاح کی تقریب کو انجوائے کررہے تھے۔ ایجاب و قبول کا مرحلہ بخیر و خوبی طے پاچکا تھا اور ابھی تک فارہ کو اسٹیج پر نہیں لے جایا گیا تھا۔ تب سے وہ کمرے میں ہی بیٹھی تھی۔ ٹینشن سے اس کا برا حال تھا۔ جب سے وہ تیار ہوئی تھی، اس کا ایک ایئررنگ غائب تھا اور اب صورت حال یہ تھی کہ ایک کان میں ایئررنگ پہن رکھا تھا اور دوسرے میں غائب۔ کوئی اور ایئررنگ بھی میچ نہیں کررہا تھا۔

''میں ایسا کرتی ہوں پہلے کھانا لگواتی ہوں۔ تب تک کوئی اور ایئررنگز ارینج کرتی ہوں۔'' نگین اسے تسلی دیتی کمرے سے نکلی۔ باقی کزنز کو وہ پہلے ہی کمرے سے نکال چکی تھی، ایئررنگ ڈھونڈنے کے بہانے سے۔ نگین کے جاتے ہی فارہ ایک بار پھر اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں کھنگالنے لگی۔ جو پہلے بھی وہ اور نگین کافی اچھی طرح دیکھ چکی تھیں۔ تیسری دراز کھولتے ہی اسے ایئررنگ نظر آگیا تھا۔ پشت پر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ خوشی سے ایئررنگ ہاتھ میں لیتی وہ بولی۔

''نگین ایئررنگ مل گیا، شکر ہے، ورنہ ایئررنگز کے بغیر میں کیسی عجیب دلہن لگتی۔ لیکن یہ پہلے کیوں نہیں نظر آیا، سامنے ہی تو پڑا......'' تیز تیز بولتی وہ مڑی، مگر نگین کی جگہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکی، الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ سفید کرتا شلوار کے ساتھ سیاہ واسکٹ پہنے، اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' نظریں جھکاتے وہ پوچھ گئی۔

''ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ فارہ کے وجود میں سنسناہٹ سی ہوئی۔ بھلا ایسی کیا ضروری بات تھی کہ وہ نکاح کے فوراً بعد ہی کرنے پہنچ گیا تھا۔ وہ بھی اس طرح سے۔ اس کی سوچوں کو بریک لگا۔ وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔

''کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ یہ رشتہ مجبوراً جوڑنا پڑا، ورنہ ہمارے درمیان تو پہلے ہی سب ختم ہوچکا تھا۔'' دھچکا لگا تھا اسے۔ حیرت سے کھلی آنکھیں اس پر اٹھیں۔ کیا وہ مذاق کررہا تھا۔ لیکن اس کا انداز تو کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے۔ میں اپنی تذلیل بھول کر تمہیں خوشی خوشی قبول کرلوں گا۔ یہ رشتہ اب خواہش اور طلب سے خالی ہے۔'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں دیکھتا وہ گویا اسے اس کی حیثیت بتانے آیا تھا۔ فارہ کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ مگر وہ لہجے کو مضبوط بناتی بولی۔

''آپ کو یہ رشتہ نہیں جوڑنا چاہیے تھا۔ نکاح کا مطلب بھی پتا ہے آپ کو۔''

''میں تو مجبور کردیا گیا۔ اگر روک سکتا تو روک لیتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے تم یہ کرسکتی ہو اور جہاں تک مجھے یاد ہے تمہارے دل میں تو پہلے بھی میرے لیے کوئی نرم و نازک جذبات نہیں پنپ رہے تھے۔ تمہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے، سب کو اپنا فیصلہ سنانے میں۔'' فارہ کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ چہرے کا رنگ پھیکا پڑا، آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ کیا اس رشتے کا انجام یہ ہی ہونا تھا۔ مگر اس وقت وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ خود کو بمشکل سنبھالتی وہ بولی۔

''آپ اس وقت یہاں سے جائیں اور بے فکر رہیں، مجھے بھی ایسا کھوکھلا رشتہ قبول نہیں اور مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں یہ فیصلہ لے سکوں۔'' اس کے لہجے کی کپکپاہٹ کو محسوس کرتے اس نے اپنے لبوں پر رینگتی مسکراہٹ کو دبایا۔

''تو پھر جائیں، آج ہی ہمت کریں اور سب کو بتادیں۔'' اسے راستہ دیتا وہ ہاتھ سے دروازے کی جانب اشارہ کررہا تھا۔ فارہ نے حیرت و بے یقینی

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

Emale: id@khawateendigest.com

فروری 2018 کے شمارے کی ایک جھلک

آزادی

قدم قدم صعوبتیں، لمحہ لمحہ موت کا خوف، سانحہ 1971 کے پس منظر میں لکھی گئی ایک جنگی قیدی کی داستان
مشہور تجزیہ نگار اکرام سہگل کے قلم سے۔

یگانگت

محبت، عنایت اور قربانی کی چاشنی میں گندھی دلوں کو تسخیر کرنے والے
ایم اے راحت کی ایک رومانوی تحریر۔

بے لوث

مادہ پرست دنیا میں آج بھی کچھ بے لوث اور بے غرض لوگ پائے جاتے ہیں، لہو کے رشتوں کی منافقت کو عیاں کرتا
جاوید راہی کا تلخ انداز۔

چارہ گر

حرام مال پر پلنے والی ایک بگڑی رئیس زادی کی داستان عبرت۔
ایک انسپکٹر کی دیانت داری
سلمان راحت کے قلم کی روانی۔

چرن کور

دو محبت کے متوالوں کے درمیان ایک انوکھے رقیب کا احوال۔
ہندی ادب سے لیا گیا
سریندر کمار مہرا کا کلاسک شاہکار۔

اس کے علاوہ دیس بدیس کی رومینس، سسپنس اور تجسس سے بھرپور 9 مشہور ومعروف مصنفین کی طبع زاد وترجمہ کہانیاں

فروری 2018 کا تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

www.urdugem.com

سے اس کا یہ نیا روپ دیکھا۔

"بس ہوگئی ہمت ختم۔" اس کی خاموشی سے اس نے نتیجہ نکالا۔

"اتنی بری نہیں ہوں میں۔ اپنے اور آپ کے گھر والوں کی عزت کا خیال ہے مجھے۔"

"ابھی جاؤ تو مانوں، ورنہ پھر بعد میں، میں صاف مکر جاؤں گا۔" کندھے اچکا کر کہتا وہ اسے تپا گیا۔ اس پہ لعنت بھیجتی وہ غصے سے آگے بڑھی، مگر اس کی کلائی زین کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

"چھوڑیں مجھے۔" فارہ نے بے اختیار اپنا ہاتھ کھینچا، جو اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ نرم گرفت کے باعث وہ اپنا ہاتھ چھڑا گئی۔

"جن کو دل کی پوری آمادگی سے اپنایا جائے، انہیں چھوڑا نہیں جاتا مسز زین احمد۔" گمبھیر لہجے میں بولتا وہ زیرلب مسکرا دیا۔ پرشوق نگاہیں فارہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ڈل گولڈ شرٹ کے ساتھ پلم غرارہ پہنے۔ ساتھ میں پلم دیدہ زیب کام والا دوپٹا دلہنوں کے مخصوص اسٹائل میں اوڑھے، میک اپ اور زیورات سے سجی سنوری وہ اسے اور بھی دل فریب لگی۔ خوب صورت میک اپ نے اس کے نقوش کو الگ طرح کا نکھار بخشا تھا۔ ایک مقناطیسی کشش سی تھی جو ہمیشہ اسے اپنی جانب کھینچتی رہی تھی۔ وہ اس کے لیے خاص تھی اور آج یوں پورے حق سے اسے دیکھنا اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔ خفگی بھری آنکھوں سے اسے گھورتی وہ اس کے بدلے ہوئے انداز دیکھ رہی تھی۔ عجیب دھوپ چھاؤں کا سا انداز تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس کی بولتی آنکھوں سے نظریں چرائیں۔

"تمہیں..... تب ہی تو دل کے مجبور کرنے پر اتنی بڑی بارات لایا ہوں۔" وہ سٹپٹائی، پھر اس کی کچھ دیر پہلے کی باتیں یاد آئیں۔

"اور ابھی جو آپ..... میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیسے بات شروع کر کے اس کے خدشات دور کرے۔

"کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے بھابھی نے سب بتا دیا ہے۔" مزے سے مسکراتے ہوئے اس کی پریشانی دور کرنا چاہی۔

"آپ مجھے تنگ کر رہے تھے۔" اپنی جون میں لوٹتی وہ خود اعتمادی سے بولی۔ ذہن پر سے بھاری بوجھ گویا سرک گیا تھا۔

"اتنا تو بنتا تھا، جتنا تم نے مجھے تڑپایا تھا۔ یاد ہے کتنا بھیگا تھا بارش میں۔" شرارت سے بولتے وہ اسے تکے گیا۔ جس کا چہرا خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

"تو نہ بھیگتے، میں نے تو نہیں کہا تھا۔ ویسے اگر آپی نہ بتاتیں پھر....."

"پھر بھی میری محبت کم نہیں ہونی تھی۔ یہ زین کی محبت ہے اور فارہ کے علاوہ اس پر کسی کا حق نہیں۔"

اس کی جانب جھکتا وہ دھیمے لہجے میں اظہار کر گیا۔

"اب آپ یہاں سے جائیں، اگر کوئی آ گیا تو بہت بری بات ہوگی۔" اپنی مسکراہٹ دباتی وہ پیچھے ہوئی۔

"نگین بھابھی ہیں نا۔ سنبھال لیں گی۔"

"اسے تو میں بعد میں سیٹ کروں گی۔" نگین کی چال تو وہ سمجھ ہی چکی تھی۔

"میں تم سے ایک فیور چاہتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ فارہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ماضی میں جو کچھ بھی ہوا، مگر میری بیوی کی حیثیت سے میں چاہتا ہوں کہ تم شہریار بھائی کی ہمیشہ عزت کرو۔ انہوں نے باپ بن کر میری سرپرستی کی ہے۔ میرے لیے ان کی عزت بہت اہم ہے۔"

"آپی کے حوالے سے وہ پہلے بھی میرے بھائی تھے اور اب آپ کے لیے۔ میں ان کی اور بھی عزت کروں گی۔" اس کا معصوم سا اظہار زین کے دل کو شاد کر گیا۔

"اب نکلیں یہاں سے۔" اسے دونوں ہاتھوں سے دروازے کی طرف دھکیلتی وہ بولی۔

"بہت ظالم ہو بھئی۔ کیا بنے گا میرا۔" وہ باہر نکل گیا تھا۔ مگر اس کی کھنک دار ہنسی اور چوڑیوں کی جلترنگ دیر تک کانوں میں گونجتی رہی تھی۔

☆☆☆

"بابا، آپ اداس ہیں۔" وہ لاؤنج کے صوفے پر آدھا تر چھا لیٹا تھا، جب حذیفہ اس کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔

"نہیں بیٹا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سیدھا ہو کر بیٹھتے اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور دائیاں بازو اس کے گرد حمائل کیا۔

"جب میں نانو کے گھر تھا، تب میں بھی اسی طرح چپ کر کے لیٹ جاتا تھا اور آپ کو یاد کر کے اداس ہو جاتا تھا۔ پھر کسی سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔" اس کی معصوم سی وضاحت پر وہ زیرلب مسکرایا۔ جبکہ کمرے میں ڈسٹنگ کرتی زینب کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے۔

"بابا کیوں اداس ہوں گے، آپ ہو نا بابا کے پاس۔"

"آپ ٹھیک نہیں لگ رہے بابا۔ آپ بیمار ہیں نا۔" فکرمندی سے پوچھتا وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کے چہرے اور ماتھے کو چھو رہا تھا۔ کھلے دروازے سے زینب نے یہ منظر دیکھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس نئی جاب شروع ہوئی ہے نا تو بابا تھوڑا تھک گئے ہیں۔" انگلیوں سے اشارہ کرتا وہ اسے بہلا رہا تھا۔ کام سے تو وہ کبھی نہیں گھبراتا تھا۔ پھر اب کیوں تھکنے لگا تھا۔ اپنی جگہ ختم کر وہ اس دیکھے گئی۔ کتنے عرصے بعد وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ملگجا سا حلیہ، بڑھی ہوئی شیو، یہ وہ شہریار تو نہیں تھا جو ہمیشہ نک سک سے تیار اور فریش نظر آتا تھا۔ یہ تو کوئی اور تھا جس کے وجود پہ تھکن اور اداسی کے ڈیرے تھے۔

"ماما ابھی تک ناراض ہیں نا۔ آپ سے ٹھیک سے بات نہیں کرتیں نا۔" سانس اس کے سینے میں اٹکا۔ ان کے رشتے کا کھنچاؤ اس چھوٹے سے بچے نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اپنی طرف سے سرگوشی کرتا وہ باپ سے تائید چاہ رہا تھا اور ٹھٹک تو شہریار بھی گیا تھا۔ "آپ ماما کو منا لیں، ورنہ وہ پھر سے نانو کے گھر چلی جائیں گی۔ مجھے نہیں جانا۔ مجھے آپ کے پاس رہنا ہے، اپنے گھر میں۔" وہ اپنے دل کے خدشات بتا رہا تھا۔

"آپ ہمیشہ اپنے گھر میں ہی رہو گے بابا کے پاس اور ماما بالکل بھی ناراض نہیں ہیں، بس ان کا موڈ آف ہو تو وہ بات کم کرتی ہیں۔ اب آپ جلدی سے اٹھو، ہم پلے لینڈ چلتے ہیں۔" اسے بہلاتا وہ بولا۔

"میں ماما کو بتاتا ہوں۔" حذیفہ خوش ہوتا ہوا اٹھا۔

"ماما تو شاید نہ ہی جائیں، تھک گئیں ہوں گی، صبح سے کام کر رہی ہیں اور آپ کا یونیفارم بھی تیار کرنا ہوگا انہیں۔ چلو آپ پوچھ لو ماما سے۔" ہلکے پھلکے انداز

www.urdugem.com

میں کہتا وہ پہلے ہی بہلا رہا تھا، کیوں کہ پچھلی بار بھی وہ ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔

کمرے کی ڈسٹنگ کرتی وہ اب لاؤنج میں آ گئی تھی۔ خود کو مصروف ظاہر کرتی، مگن سی ٹی وی صاف کر رہی تھی۔ جب حذیفہ نے قریب آ کر اسے چلنے کے لیے کہا۔

''ٹھیک ہے، چلتے ہیں، میں مشال کو تیار کرتی ہوں۔'' اس نے بیٹے کی آس نہیں توڑی تھی۔ ایک نظر بے یقین سے شہریار پر ڈالتی وہ آگے بڑھ گئی۔ آج ایک عرصے بعد وہ یوں اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ مطمئن سی باہر آ گئی۔

''چلیں ماما۔'' حذیفہ اسے دیکھ کر خوش ہوا۔ زینب نے تنقیدی نظروں سے شہریار کو دیکھا، جس نے آف وائٹ شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔

''ایسے جائیں گے آپ اس حلیے میں۔ ہم آؤٹنگ پر جا رہے ہیں۔'' اس کے سر پر پہنچ کر وہ بولی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔ زینب کا یوں اسے خود سے مخاطب کرنا اور اس انداز میں بات کرنا مقام حیرت تھا۔ اگر یہ ایکٹنگ تھی تو کمال تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔

''ٹھیک تو ہے۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''جی نہیں چلیں فوراً چینج کریں۔'' پھر وہ زین کی طرف مڑی جو مشال کو گود میں اٹھائے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''زین ذرا بچوں کو دیکھنا، ہم آتے ہیں۔'' پھر وہ حیرت سے گنگ کھڑے شہریار کا بازو پکڑے اسے اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ زین کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ رینگی۔

''آپ بھی نا بچوں کی طرح کرتے ہیں۔ یہ جوڑا اماں نے گھر میں پہننے کے لیے سلوایا تھا اور آپ..... اگر شلوار سوٹ پہننا تھا تو کوئی ڈھنگ کا پہنتے۔'' اس کی کلاس لیتی وہ تیزی سے اس کی وارڈروب کھنگال رہی تھی۔

''یہ کرتا اچھا لگے گا۔ عید پر سلوایا تھا اور یہ جینز شرٹ، یہ بھی آپ پر بہت سوٹ کرتی ہے۔'' دونوں ہینگرز پکڑے وہ قریب آئی۔

''مجھے پتا ہے، میں بہت پیاری لگ رہی ہوں۔ اب کیا نظر لگائیں گے۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکتی وہ شرارت سے بولی۔ شہریار نے اس کے چہرے پر پھیلی مسکان کو دیکھا۔ کتنے عرصے بعد وہ ایسے مسکرائی تھی کہ اس کی آنکھیں بھی مسکرا اٹھی تھیں۔ زینب نے دونوں ہینگر آگے کیے۔ شہریار نے بغیر دیکھے اس کے دائیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں تشکر بھرے وہ مشکور سا اسے دیکھے گیا۔ اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہینگر بیڈ پر رکھ کر اپنا ہاتھ اس کے مضبوط مردانہ ہاتھ پر رکھ کر ہولے سے دبایا۔ اس لمس میں وہ سب تھا جو شاید الفاظ بھی پورا نہیں کر سکتے۔ کبھی کبھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی، احساسات سب کہہ دیتے ہیں۔ انہیں بھی اب کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

''اب عورتوں کی طرح دیر مت کیجیے گا۔'' اسے واش روم کی طرف دھکیلتی وہ ہنسی۔

آئینے میں خود کو دیکھتی وہ بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ وہ خوش تھی۔ دل فریب سی مسکان لبوں کو چھو رہی تھی۔ دل پھر سے نئی دھنوں پر دھڑکنے لگا تھا۔ شاید اس میں بڑا ہاتھ شالین کا تھا، جس کی باتوں نے بہت سی بدگمانیوں کی دھند کو چھٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے معاملے میں شہریار قصوروار سہی، مگر اتنا بھی نہیں تھا کہ وہ اسے معاف نہ کر سکتی۔ وہ زندگی کے کسی موڑ پر پچھتانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے خود سے ایک قدم اس کی جانب بڑھا کر وہ خوشی کے جس احساس کو محسوس کر رہی تھی، وہ زندگی میں بہت سے خوب صورت رنگ بھر دینے والا تھا۔

☆☆